نقش ہائے رنگ رنگ

غالب کے منتخب فارسی کلام کا منظوم اردو ترجمہ

مترجم

مُضطر مجاز

نقش ہائے رنگ رنگ

غالب کے منتخب فارسی کلام کا منظوم اردو ترجمہ

مترجم

مضطر مجاز

ناشر

مکتبہ شعر و حکمت حیدرآباد

نام کتاب : نقش ہائے رنگ رنگ

سنہ اشاعت : ۲۰۰۴ء

تعداد اشاعت : ۵۰۰

قیمت : ۱۰۰ روپے

سرورق : ریاض خوشنویس

کمپیوٹر کتابت : ریاض پرنٹرز وارد وکمپیوٹر گرافک سنٹر، چھتہ بازار، حیدرآباد

و طباعت : فون: 55712042 , 31020926

ملنے کے پتے

☆ مترجم : 16-1-14/38-1 ' سعید آباد' حیدرآباد۔ ۵۰۰۰۵۹

فون: 24072185

☆ ریاض پرنٹرز وارد وکمپیوٹر گرافک سنٹر، چھتہ بازار، حیدرآباد

☆ مکتبہ شعر وحکمت 6-3-6509/2 کپاڈیہ لین' سوماجی گوڑہ ' حیدرآباد

☆ ھدی بک ڈسٹری بیوٹرس پرانی حویلی' حیدرآباد

علمی مجلس 26-Croft House,3 r d Avenue,London,

W10, 4 S N, U.K

رفیقۂ حیات فریدہ عتیق کے نام۔

؎

تو حنا بستی و ما معنیِ رنگیں بستم

مضطرؔ مجاز

پیش لفظ

مرزا غالبؔ کو اردو سے زیادہ اپنی فارسی شاعری پر ناز تھا۔ یہ ناز بجا بھی تھا۔ اردو شاعری میں انہوں نے بیدل کی اتباع کرنے کی کوشش کی جس سے بیشتر اردو کلام میں ایسا ابہام پیدا ہوگیا کہ اس کا سمجھنا دشوار ہوگیا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے لکھنے والوں نے شرحیں لکھیں اور اپنی اپنی بضاعت بھر غالبؔ کے مشکل اردو اشعار کے مطالب بیان کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح کی توجہ غالبؔ کے فارسی کلام کی طرف نہ تو دی گئی نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ کیوں کہ ان کا فارسی کلام عموماً اس قسم کی پیچیدگیوں سے مبرا ہے جو ان کی اردو شاعری کا خاصہ ہے۔ جو لوگ فارسی جانتے ہیں وہ غالبؔ کی فارسی شاعری کی بڑائی کو مانتے ہیں اور اس کے دل دادہ ہیں اور وہ جو فارسی نہیں جانتے وہ مرزا کی فارسی شاعری کی خوبیوں سے بے بہرہ ہیں۔ اگرچہ انہوں نے بھی غالبؔ کے اس ادعا کے بارے میں سنا ہوگا کہ وہ اپنی فارسی شاعری کو اپنی اردو شاعری سے بہتر سمجھتے تھے۔ لیکن اس کو شیخ ابراہیم ذوقؔ سے چشمک کے نتیجے میں محض ایک شاعرانہ ادعا سمجھتے ہیں۔

اردو ادب کے طالب علموں کو فارسی سیکھنا ہی چاہیے۔ تاہم اگر اس کی توفیق نہ ہو پائی ہو تو غالبِ فارسی کے لطف کلام اور مزے سے کچھ تو واقف ہوں۔ اس کی ایک صورت یہی تھی کہ غالب کے فارسی کلام کا اردو میں ترجمہ کیا جائے۔ بہتر ہے کہ ترجمہ منظوم ہو تاکہ اصل کی کچھ نہ کچھ کیفیت اس میں آجائے۔

مضطر مجاز صاحب نے اس مقصد کے لئے غالبؔ کے فارسی کلام سے مٹھی بھر غزلوں کے اشعار اور چند قطعات چن لیے اور ان کا منظوم اردو ترجمہ کر دیا۔

عام طور پر ترجمہ اسی بحر میں کیا ہے جس میں اصل فارسی کلام ہے لیکن کہیں کہیں مختلف بحر بھی اختیار کی ہے۔ ترجمے میں سب سے پہلے شعر کے نفسِ مضمون کو اپنی گرفت میں رکھا، پھر یہ کوشش کی ہے کہ اس حد تک الفاظ بھی زیادہ تر اصل شعر ہی سے اخذ کریں، جہاں تک یہ الفاظ اردو میں قابل قبول ہوں ساتھ ہی اس کا خیال بھی رکھا ہے کہ بحر و آہنگ بھی وہی ہو جو مرزا غالب کے کلام کا ہے۔ غزل کے اشعار میں ان سب باتوں کی صد فیصد پابندی تو ممکن نہ تھی۔ کہیں بہت کامیابی ہوئی ہے کہیں نسبتاً کم تاہم یہ بات یقینی ہے کہ ترجمے کے ہر شعر میں آپ کو غالب کے اصل شعر کے مضمون کا اندازہ ہو جائے گا اور ساتھ ہی اس کے لہجے اور مزاج کا یا زبان اور انتخابِ الفاظ یا نغمہ و آہنگ کا اور کبھی تو ان سب کا اندازہ ایک ہی غزل یا مختلف غزلوں کے اشعار کے ترجموں سے ہو جائے گا۔ منظومات کے ترجمے زیادہ کامیاب ہیں۔ ان میں یہ عناصر زیادہ کامیابی کے ساتھ نمایاں ہیں۔

یہ ترجمے رواں اور زیادہ تر غالبؔ ہی کی زبان اور لہجے میں ہیں۔ ترجمے کی یہ مہم ایک تخلیقی کاوش بھی ہے۔ اس لئے آپ کو یہ احساس کم ہی ہوگا کہ یہ سب کا سب ترجمہ ہے۔ یقین ہے کہ جو لوگ اس ترجمے کو پڑھیں گے ان کو غالب کے فارسی کلام کی رنگا رنگی کا اندازہ ہو جائے گا اور ان کے دلوں میں غالب کے فارسی کلام کے بارے میں مزید جاننے کی خواہش جاگ اٹھے گی۔

'نقش ہائے رنگ رنگ' کا یہ نسخۂ انتخاب جس کے ہاتھ میں ہوگا وہ اس کے حسن مذاق کی سند ہوگا۔

یکم دسمبر ۲۰۰۳ء۔ لندن

محمد ضیاء الدین احمد شکیب

عرضِ مترجم

ترجمے کے بارے میں ایک عام غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ اسے اصل کا نعم البدل سمجھ لیا گیا ہے جب کہ دانتے کے ایک مترجم امولا کے الفاظ میں ترجمہ اصل کا نعم البدل نہیں بلکہ معاون ہے۔ تخلیق خود جذبات واحساسات کی ترجمانی ہے اور تخلیق کا ترجمہ ایک لحاظ سے ترجمہ در ترجمہ ٹھہرتا ہے جب تک اصل تخلیق کار کی روح مترجم کے کالبد میں حلول نہ کرے ترجمے کا حق ادا نہیں ہوتا پھر ترجمے کے ساتھ ایک مشکل یہ بھی ہے کہ وہ خوب صورت ہو تو باوفا نہیں ہوتا اور باوفا ہو تو اسے خوب صورت بنانے میں مشکل پیش آتی ہے یہ دونوں باتیں ایک جگہ جمع ہو جائیں تو کیا کہنے۔ غالباً یہی وہ وجوہات ہیں جن کی بناء پر ترجمے کے خیال سے ہی روح کانپ کانپ اٹھتی ہے مگر کچھ اہل ہمت ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس آب جو سے بحرِ بے کراں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے یعنی ایک ترجمے کو سامنے رکھ کر تھوڑی بہت لفظی الٹ پھیر سے ایک بہتر اور اعلیٰ تر ترجمہ پیش کیا ہے! اس طرح اپنی دانست میں چھوٹی لکیر کے مقابلے میں بڑی لکیر کھینچ دی ہے!

قبل ازیں راقم الحروف نے جو اقبال کے فارسی کلام کے منظوم تراجم پیش کیے ان پر ہمارے نوجوان دوست جناب سید محمد شجاعت حسین اڈیشنل کمشنر سیلس ٹیکس کا یہ تبصرہ بڑا ہمارے جی کو لگا کہ اقبال کی آسان فارسی کا مشکل اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے! اب غالب کا معاملہ تو اقبال سے بھی مشکل تھا۔ وہ اپنے مشکل پسند معشوق کی طرح جو شمارِ سبحہ بہت مرغوب رکھتا ہے مشکل پسند ہیں پھر ان کے خیالات اتنے پیچیدہ اور فلسفیانہ ہیں کہ اردو کا جامہ ان پر تنگ ہو جاتا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وقت

کے ساتھ ساتھ اردو غزل، بقول رشید صدیقی، فارسی غزل سے آگے نکل گئی ہے۔ بہر حال کچھ فیضانِ مشق سخن تھا اور کچھ جرأت رندانہ کہ اب غالباً پہلی مرتبہ فارسی غالب سے اردو والے روشناس ہونگے۔

کلام غالب کے ترجمے کی طرف ہمارا دھیان ہمارے مرحوم عزیز دوست عابدی بھائی نے منعطف کروایا۔ اتفاقاً اسی زمانے میں معروف ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ یافتہ مترجم محترم اسامہ فاروقی مشہور روسی ادیبہ نتالیہ پری گارینا کی غالب پر روسی میں لکھی ہوئی کتاب کا اردو میں ترجمہ کر رہے تھے انہیں خیال آیا کہ محترمہ نے جو غالب کے اشعار اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں کیوں نہ ان کا منظوم ترجمہ کروالیا جائے۔ یہ کام انہوں نے راقم الحروف کے سپرد کیا پروفیسر مغنی تبسم نے بھی، جن کی نگرانی میں وہ ترجمہ چھپ رہا تھا' ہمارا حوصلہ بڑھایا۔ بعد میں ہمیں خیال آیا کہ نقل شدہ غزلوں اور قطعات کے اشعار کے ساتھ ساتھ ماقبی اشعار کا بھی ترجمہ کر دیا جائے اور یوں' لکھے رقعہ لکھے گئے دفتر' والی صورت حال پیدا ہوگئی۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں تینوں متذکرۂ صدر کرم فرماؤں کے بعد اپنے رفیقِ شفیق اور رہ نما ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد شکیبؔ کا ذکر نہ کروں (شکریہ ادا کرنے سے انہوں نے منع فرمایا ہے) جنہوں نے دس بارہ سال پہلے کیے ہوئے اس کام کو جھاڑ پھونک کر باہر نکالنے کا حکم دیا۔ ڈاکٹر شکیبؔ نے بھی شجاعت صاحب والی نصیحت کی کہ ترجمے کو جس قدر زیادہ 'اردوایا' جائے بہتر ہے۔ اب اس سعیِ بے جا یا بجا کا جو بھی حاصل ہے اس کا فیصلہ تو وقت اور قارئین ہی کر سکتے ہیں۔

۲۳ر ستمبر ۲۰۰۲ء؛ حیدرآباد

مضطر مجاز

اے بہ خلا و ملا خوئے تو ہنگامہ زا
باہمہ در گفتگو، بے ہمہ با ماجرا

شاہدِ حسنِ ترا ، در روشِ دل بری
طرۂ پُرخم صفات، موئے میاں ماسوا

دیدہ وراں را کند، دید تو بینش فزوں
از نگہ تیز را گشتہ نگہ توتیا

آب نہ بخشی بہ زور، خونِ سکندر ہدر
جاں نہ پذیری بہ ہیچ نقدِ خضر ناروا

بزم ترا شمع و گل خستگیِ بو ترابؓ
سازِ ترا زیر و بم، واقعۂ کربلا

نکبتیانِ ترا قافلہ بے آب و ناں
نعمتیانِ ترا مائدہ بے اشتہا

مصرفِ زہر ستم دادہ بیابانی توام
سبز بود جائے من در دہنِ اژدہا

کم مشمر گریہ ام زاں کہ بہ علمِ ازل
بودہ دریں جوئے آب گردشِ ہفت آسیا

خلد بہ غالب سپار، زاں کہ بداں روضہ در
نیک بود عندلیب، خاصہ نو آئیں نوا

اے بہ خلا و ملا خو تری ہنگامہ زا
سب سے تری گفتگو سب سے ہے بے ماجرا

کیا ہے ادائے جمال، کیسی ہے یہ دلبری
طرۂ پرخم صفات موئے کمر ماسوا

دید ہے بینش فزا دیدہ وروں کے لیے
تیری نگاہ تیز رو میرے لیے توتیا

از پئے آبِ حیات خونِ سکندر حلال
پیش کرے خضر تو تحفۂ جاں ناروا

بزم کا تیری فروغ خستگیِ بو ترابؓ
لے کا تری زیر و بم، واقعۂ کربلا

نکبتیوں کا ترے قافلہ بے آب و ناں
نعمتیوں کو ترے خوان ہے بے اشتہا

کام لیا ہم نے بھی زہر ستم سے ترے
میری جگہ ہوگئی در دہنِ اژدہا

علمِ ازل کا ہے فیض اشک ہیں میرے رواں
ان کی روانی میں ہے گردشِ ہفت آسیا

بخش دے غالب کو خلد کیوں کہ ترے باغ میں
اچھا ہے یہ عندلیب، خاصہ نو آئیں نوا

حق جلوہ گر ز طرزِ بیان محمد است
آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمدؐ است

آئینہ دارِ پرتوِ مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار زِ شانِ محمدؐ است

تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق است
امّا کشادِ آں زِ کمانِ محمدؐ است

دانی اگر بہ معنیِ لولاک وا رسی
خود ہر چہ از حق است از آنِ محمد است

ہر کس قسم ہر آنچہ عزیز است می خورد
سوگندِ کردگار بہ جانِ محمدؐ است

واعظ! حدیث سایۂ طوبیٰ فروگذار
کا ینجا سخن زِ سروِ روانِ محمدؐ است

بنگر دونیمہ گشتنِ ماہِ تمام را
کان نیمہ جنبشے زِ بنانِ محمدؐ است

در خود زِ نقشِ مہرِ نبوت سخن رود
آن نیز نامور زِ نشانِ محمدؐ است

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کانِ ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

حق ہے عیاں ز طرزِ بیانِ محمدیؐ
سن لے کلامِ حق بہ زبانِ محمدیؐ

آئینہ دار پرتوِ خور ہے یہ ماہتاب
ہر شانِ حق عیاں ہے زِ شانِ محمدیؐ

تیرِ قضا ہے ترکشِ حق میں، ہر آئینہ
اس کی کشاد کو ہے کمانِ محمدیؐ

کھل جائیں تجھ پہ معنیٔ لولاک اگر تو سن
جو کچھ ہے حق سے ہے وہ از آنِ محمدیؐ

اپنی عزیز چیز کی کھاتے ہیں سب قسم
سوگند کردگار ہے جانِ محمدیؐ

واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ سے ہاتھ اُٹھا
لب پر ہے ذکرِ سروِ روانِ محمدیؐ

وہ دیکھ! آسمان پہ مہتاب کو دونیم
اعجازِ دلِ نواز بنانِ محمدیؐ

کیا تذکرہ ہے مہرِ نبوت کے نقش کا
وہ خود ہے ایک فیضِ نشانِ محمدیؐ

کردی ثنائے خواجہؐ یہ غالبؔ سپردِ حق
ہے ذاتِ حق ہی مرتبہ دانِ محمدیؐ

تعارف نامۂ غالبؔ

بہ زبانِ غالبؔ

غالبؔ از خاکِ پاکِ تورانیم
لاجرم در نسب فرہ مندیم

ترک زادیم و در نژاد ہمی
بہ سترگانِ قوم پیوندیم!

ایبکیم از جماعتِ اتراک
در تمامی ز ماہ دہ چندیم!

فنِ آبائے ما کشاورزیست
مرزبان زادۂ سمرقندیم!

توران کی مٹی سے خمیر اپنا ہے غالبؔ
لاریب و گماں اپنے نسب میں ہیں فرہ مند

ترکوں کی ہم اولاد ہیں اور نسل سے اپنی
رکھتے ہیں بہ عالی نسبی رشتہ و پیوند

ترکوں کی جماعت کے قبیلے سے ہیں ایبک
تکمیل میں ہیں چودھویں کے چاند سے دہ چند

سن لو کہ زراعت ہے فنِ آبا کا ہمارے
یعنی کہ ہیں دہقانِ خیابانِ سمرقند

دودِ سودائے تتق بست، آسماں نامیدمش
دیدہ بر خوابِ پریشاں زد، جہاں نامیدمش

وہم خاکے ریخت در چشم بیاباں دیدمش
قطرہٴ بگداخت، بحرِ بے کراں نامیدمش

باد دامن زد بر آتش، نوبہاراں خواندمش
داغ گشت آں شعلہ از مستی، خزاں نامیدمش

قطرہٴ خونے گرہ گردید، دل دانستمش
موجِ زہرابے بہ طوفاں زد، زباں نامیدمش

غربتم ناساز گار آمد، وطن فہمیدمش
کرد تنگی حلقہٴ دام، آشیاں نامیدمش

بود در پہلو بہ تمکینی کہ دل می گفتمش
رفت از شوخی بہ آئینی کہ جاں نامیدمش

ہر چہ از جاں کاست در مستی بسود افزودمش
ہر چہ با من ماند از ہستی، زیاں نامیدمش

جب دھواں چھایا جنوں کا آسماں میں نے کہا
دیکھا اک خواب پریشاں تو جہاں میں نے کہا

وہم نے دھول آنکھ میں جھونکی تو دشت آیا نظر
قطرہ جب پگھلا تو بحر بے کراں میں نے کہا

کی ہوا نے آتش افروزی تو سمجھا ہے بہار
بن گیا جب داغ وہ شعلہ، خزاں میں نے کہا

قطرہٴ خوں نے گرہ ڈالی تو کہلایا وہ دل
موجِ زہراب آئی طوفاں پر، زباں میں نے کہا

ساز گار آئی نہ جب غربت تو سمجھا ہے وطن
دام نے تنگی جو کی تو آشیاں میں نے کہا

تھا بہ صد تمکیں جو پہلو میں تو وہ تھا میرا دل
ناز و شوخی سے ہوا رخصت تو جاں میں نے کہا

جو بھی نقصاں جاں کا مستی میں ہوا نکلا وہ سود
رہ گیا جو بچ کے ہستی سے زیاں میں نے کہا

تا ز من بگسست عمرے، خوش دلش پنداشتم
چوں بہ من پیوست لختے، بدگماں نامیدمش

او بہ فکرِ کشتنِ من بود آہ از من کہ من
لا اُبالی خواندمش، نامہرباں نامیدمش

تا نہم بروے سپاسِ خدمتے از خویشتن
بود صاحب خانہ اما میہماں نامیدمش

دل زبانِ رازدانِ آشنائی با نہ خواست
گاہ بہماں گفتمش، گاہے فلاں نامیدمش

ہم نگہ جاں می ستاند، ہم تغافل می کشد
آں دمِ شمشیر واین پشتِ کماں نامیدمش

در سلوک از ہرچہ پیش آمد گذشتن داشتم
کعبہ دیدم، نقشِ پائے رہرواں نامیدمش

بر امیدِ شیوۂ صبر آزمائے زیستم
تو بریدی از من و من امتحاں نامیدمش

بود غالبؔ عندلیبے از گلستانِ عجم
من ز غفلت طوطیِ ہندوستاں نامیدمش

جیسے جیسے عمر گزری، شاد و فرحاں دل ہوا
تھم گئی آکر تو اس کو بدگماں میں نے کہا

تھا وہ میری موت کے درپے مگر افسوس اُسے
لا اُبالی کہہ دیا، نامہرباں میں نے کہا

تا کروں اسکو سپاس خدمت اپنا پیش میں
تھا وہ صاحب خانہ لیکن میہماں میں نے کہا

راز دان آشنائی دل زباں کو کیوں کرے
کہہ دیا اس کو کبھی 'وہ'، گہہ 'فلاں' میں نے کہا

وہ نگہ جاں میری کھینچے اور تغافل مار دے
آبِ تیغ اُس کو، اُسے پشتِ کماں میں نے کہا

راہ سالک میں جو پیش آیا وہ تھا سب رفتنی
کعبہ دیکھا، نقش پائے رہرواں میں نے کہا

اک امید شیوۂ صبر آزما پر میں جیا
تو گریزاں تھا تو اس کو امتحاں میں نے کہا

تھا گلستانِ عجم کا غالبؔ اک بلبل مگر
میری غفلت! طوطیِ ہندوستاں میں نے کہا

تیغ از نیام بیہدہ بیروں نہ کردہ کس
مارا بہ تیغ کشتہ و ممنوں نہ کردہ کس

فرصت زدست رفتہ و حسرت فشردہ پائے
کار از دوا گذشتہ و افسوں نہ کردہ کس

داغم زعاشقاں کہ ستم ہائے دوست را
نسبت بہ مہربانیٔ گردوں نہ کردہ کس

یا پیش ازیں بلائے جگر تشنگی نہ بود
یا چوں من التفات بہ جیجوں نہ کردہ کس

یارب ! بہ زاہداں چہ دہی خلد رایگاں
جورِ بتاں ندیدہ ودل خوں نہ کردہ کس

جاں دادن و بہ کام رسیدن بہ ما ولے
آہ از بہائے بوسہ کہ افزوں نہ کردہ کس

شرمندہٗ دلیم و رضا جوئے قاتلیم
ماچوں کنیم چارۂ خود چوں نہ کردہ کس

گیرد مرا بہ پرسشِ بیرنگیِ سرشک
گوئی حسابِ اشکِ جگر گوں نہ کردہ کس

غالبؔ زحسرتی چہ سرائی کہ درغزل
چوں او تلاشِ معنی و مضموں نہ کردہ کس

کوئی خنجر کو اپنی نیام سے بیروں نہ کر پایا
کہ لے کر جاں مری مجھ کو کوئی ممنوں نہ کر پایا

گئے فرصت کے دن ہاتھوں سے حسرت پانو پٹکے ہے
دوا کا وقت گذرا اور کوئی افسوں نہ کر پایا

عجب عشاق ہیں یہ بھی ستم جو دوست نے توڑے
کوئی بھولے سے ان کی نسبت گردوں نہ کر پایا

نہیں تھی یہ بلائے تشنگی پہلے کبھی، یا پھر
کوئی میری طرح سے رخ سوئے جیجوں نہ کر پایا

خدایا کس لئے دیتا ہے تو زہاد کو جنت
یہاں جورِ بتاں سہہ کر کوئی دل خوں نہ کر پایا

یہ ہم نے جاں بھی دیدی اپنے مقصد کو بھی ہم پہونچے
مگر بوسے کی قیمت کو کوئی افزوں نہ کر پایا

میں اپنے دل سے شرمندہ، رضا جو اپنے قاتل کا
کروں کیا اپنا چارہ میں کوئی جب چوں نہ کر پایا

مرے بے رنگ اشکوں کی پکڑ ہوتی رہی لیکن
کوئی میرا حسابِ اشکِ لالہ گوں نہ کر پایا

غزل کہنا ترا یہ کیا بہ رنگ حسرتیؔ، غالبؔ
کوئی اُس سی تلاشِ معنی و مضموں نہ کر پایا

❁

زمن گرت نبود باور انتظار بیا
بہانہ جوئی مباش و ستیزہ کار بیا

بہ یک دو شیوہ ستم دل نمی شود خرسند
بہ مرگ من کہ بسامان روزگار بیا

بہانہ جوست بہ الزامِ مدعی شوقت
یکے بہ رغم دل ناامیدوار بیا

ہلاکِ شیوۂ تمکیں مخواہ مستاں را
عناں گسستہ تراز بادِ نو بہار بیا

زما گسستی و با دیگراں گرو بستی
بیا کہ عہد وفا نیست استوار بیا

وداع و وصل جداگانہ لذتے
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

فریب خوردۂ نازم چہا نمی خواہم
یکے بہ پرسش جانِ امیدوار بیا

حصارِ عافیتے گر ہوس کنی غالب
چو ما بہ حلقۂ رندانِ خاکسار بیا

❁

نہیں ہے میرا اگر باور انتظار آ جا
بہانہ جوئی نہ کر اور ستیزہ کار آ جا

دو اک ستم سے ترے دل یہ خوش نہ ہونے کا
ہماری موت کے ساماں لیے ہزار آ جا

بہانہ جو ہے بہ الزام مدعی ترا شوق
کبھی خلاف دل ناامیدوار آ جا

ہلاکِ شیوۂ تمکیں بنا نہ مستوں کو
لہک لہک صفتِ بادِ نو بہار آ جا

جو مجھ کو چھوڑ کے اوروں سے ہے خلا ملا
بجا کہ عہد وفا کب ہے استوار آ جا

وصال و ہجر کی ہیں لذتیں جداگانہ
ہزار بار بچھڑ، صد ہزار بار آ جا

میں کیوں نہ چاہوں کہ ہوں میں فریب خوردۂ ناز
کبھی بہ پرسشِ جانِ امیدوار آ جا

ہے عافیت کی طلب غالب؟ آ ہماری طرح
درونِ حلقۂ رندانِ خاک سار آ جا

سرچشمۂ خون است ز دل تا بہ زباں ہائے
دارم سخنے با تو و گفتن نتواں ہائے

سیرم نتواں کرد ز دیدارِ نکویاں
نظارہ بود شبنم و دل ریگ رواں ہائے !

در خلوتِ تابوت نہ رفت است ز یادم
بر تختہ در دوختہ چشم نگراں ہائے !

اے فتویٰ ناکامیِ مستاں کہ تو باشی
مہتاب شب جمعۂ ماہِ رمضاں ہائے!

با داورِ ناگفتہ شنو رفت حوالت
دردی کہ بہ گفتن نہ پذیرفت گراں ہائے!

از جنت و سرچشمۂ کوثر چہ کشاید
خوں گشتہ دل و دیدہ خوں نابہ فشاں ہائے!

در زمزمہ از پردہ و ہنجار گزشتیم
رامش گری شوق بہ آہنگ فغاں ہائے!

سیماب تنے کز رمِ برق ست نہادش
گردید مرا مایۂ آرامشِ جاں ہائے!

غالب بہ دل آویز کہ در کارگہِ شوق
نقشے ست دریں پردہ بہ صد پردہ نہاں ہائے!

سرچشمۂ خوں دل سے زباں تک ہے رواں ہائے
کیا تجھ سے کہوں؟ کھل نہیں پاتی ہے زباں ہائے

دیدار سے اچھوں کے یہ دل سیر نہ ہو پائے
نظارہ جو شبنم ہے تو دل ریگ رواں ہائے !

تابوت کی خلوت میں بھی میں بھول نہ پاؤں
تختے پہ سِلی ہے مری چشم نگراں ہائے

مستوں کی یہ ناکامی کا فتویٰ ہے کہ تو ہے
مہتابِ شب جمعۂ ماہِ رمضاں ہائے !

سنتا ہے کہے بن جو کیا اس کے حوالے
وہ درد کہ کہنے کو نہ تھا دردِ گراں ہائے !

کیا جنت و سرچشمۂ کوثر سے کھلے گا
خوں گشتہ دل و دیدہ خوں نابہ فشاں ہائے!

ہم نغمے میں ہر پردہ و مضراب سے گذرے
یہ شوق کی لے اور بہ آہنگِ فغاں ہائے!

بجلی ہے چھپی جس بتِ سیماب بدن میں
وہ میرے لیے ہے سببِ راحتِ جاں ہائے

غالب تو اسی نقش کو اب دل پہ سجا لے
جو نقش کہ ہے سینکڑوں پردوں میں نہاں ہائے

زاہد کو و مسجد چہ و محراب کجائی
عیداست و دمِ صبح مئے ناب کجائی

دریوزہ حباب آبلہ پائی طلب تست
نورِ نظر ! اے گوہرِ نایاب کجائی

بوئے گل و شبنم نہ سزد کلبۂ مارا
صرصر تو کجا رفتی و سیلاب کجائی

حشرست و خدا داور و ہنگامہ بہ پایاں
اے شکوۂ بے مہریِ احباب کجائی

آں شور کہ گردابِ جگر داشت ندارد
اے لختِ دل! اے غرقہ بہ خوں ناب کجائی

با گرمیِ ہنگامۂ خواہش نہ شکیبم
آتش بہ شبستاں زدم اے آب کجائی

چوں نیست نمک سائیِ اشکم بہ فغانم
کاے روشنیِ دیدۂ بے خواب کجائی

غواصیِ اجزائے نفس دیر نہ دارد
از دل ندمے ' داغِ جگر تاب کجائی

زاہد کون ہے؟ مسجد کیا ہے؟ اور محراب کہاں ہے
عید کا دن ہے اور دمِ صبح بادۂ ناب کہاں ہے

چلتے چلتے حباب کے آبلے پڑ گئے پائے دریا میں
میری آنکھ کے نور! تو اے گوہرِ نایاب کہاں ہے؟

بوئے گل و شبنم کا گزر اب میرے غم خانے میں
بادِ صرصر کہاں گئی تو؟ اے سیلاب کہاں ہے

حشر کا ہنگامہ ہے ختم پہ اور خدا داور ہے
اللہ اللہ ! شکوۂ بے دادِ احباب کہاں ہے

شور کہ جو گرداب جگر میں تھا وہ کہاں غائب ہے
لختِ دل اے لختِ دل! غرقِ خونِ ناب کہاں ہے

گرمیِ خواہش کا ہنگامہ دل کو قرار نہ بخشے
آگ لگا ڈالی ہے شبستاں میں اے آب کہاں ہے؟

میری آہ و فغاں میں کیوں اشکوں کی نہیں نمک سائی
یعنی تیری روشنی اے چشمِ بے خواب کہاں ہے

غواصی میں دیر نہیں ہوتی اجزائے نفس کی
دل سے ہوں نادم، داغِ جگر کو دیوے جو تاب کہاں ہے؟

شوریست نواریزی تارِ نفسم را
پیدا نہ ای ای جنبش مضراب کجائی
شمائی بہ گوسالہ پرستاں ید بیضا
غالبؔ سخن صاحب فرتاب کجائی

میرے تارِ نفس کی نواریزی کا شور ہے برپا
پیدا نہیں، وہ جنبش تیری؟ اے مضراب کہاں ہے؟
دکھا رہا ہے کیا ید بیضا ان گو سالہ پرستوں کو
غالب بزمِ سخن میں کوئی مردِ فرتاب کہاں ہے

۔ فرتاب: معجزہ

قطعہ

ہر گونہ حسرتے کہ از ایام می کشم
دُردِ تہہ پیالۂ امید بودہ است
حق راز خلق جو کہ نو آموز دید را
آئینہ خانہ مکتب توحید بودہ است

آلام وہ جو گردش ایام سے ملے
دُردِ تہہ پیالۂ امید بن گئے
حق کو ہمیشہ خلق خدا میں تلاش کر
موزوں یہی ہے تجھ سے نو آموز کے لئے
یعنی کہ خلق آئینہ خانے کی طرح ہے
آئینہ خانہ مکتبِ توحید ہی تو ہے

شعر

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

تیرہ و تار ایسی راتوں میں صبح کی مجھ کو خوش خبری دی
شمع بجھائی اگر میری تو سورج کی بھی نشان دہی کی

پس از عمرے کہ فرسودم بہ مشقِ پارسائی ہا
گہ گفت و بہ من تن در نہ داد از خودنمائی ہا

نفس زاں بوالہوس بر کش محبت پیشہ کش گر من
ربایہ حرف و آموزد بہ دشمن آشنائی ہا

بتِ مشکل پسند از ابتذالِ شیوہ می رنجد
بگوئیدش کہ از عمرست آخر بے وفائی ہا

نیرزم التفاتِ دزد و رہزن، بے نیازی بیں
متاعم را بہ غارت دادہ انداز ناروائی ہا

بہ روزِ رستخیز از جنبشِ خاکم برآشوبی
تو و یزداں، چہ سازد کس بدیں صبر آزمائی ہا

کدوئے چوں ز مے یابم چناں بر خویشتن بالم
کہ پندارم سر آمد روزگارِ بے نوائی ہا

چہ خوش باشد دو شاہد را بہ بحثِ ناز پیچیدن
نگہ در نکتہ زائی ہے، نفس در سرمہ سائی ہا

سخن کوتہ، مرا ہم دل بہ تقوی مایل است، اما
ز ننگِ زاہد افتادم بہ کافر ماجرائی ہا

نہ رنجم گر بہ صورت از گدایاں بودہ ام غالب
بہ دار الملکِ معنی می کنم فرماں روائی ہا

ہوئی اک عمر میری ضائع مشقِ پارسائی میں
مگر تو نے نہ پوچھا مجھ کو زعم خود نمائی میں

ارے وہ بوالہوس حرفِ محبت سیکھ کر مجھ سے
بنا کر پیشہ دشمن کو سکھادے آشنائی میں

وہ بت ہے ابتذالِ شیوہ سے میرے بہت نالاں
کہو اس سے کہ ہے کیا غم کچھ گر بے وفائی میں

نہ بیہ التفاتِ دزد و رہزن، بے نیازی دیکھ
کہ ساماں کو مرے غارت کریں وہ ناروائی میں

بہ روزِ حشر میری خاک سے آشوب اٹھے گا
تو اور یزداں! کرے کیا کوئی اس صبر آزمائی میں

خم مے جب کوئی پاؤں تو پھولوں اور اتراؤں
گماں ہوتا ہے جیسے کٹن لگا اب بے نوائی میں

ارے توبہ! وہ معشوقوں کا بحثِ ناز میں پڑنا
نگہ گم نکتہ زائی میں، نفس گم سرمہ سائی میں

مرا دل مائل تقوی ہے قصہ مختصر، لیکن
ہے تنگِ زہد شامل میری کافر ماجرائی میں

گدا صورت سہی میں پھر بھی دارالملک معنی میں
گذرتی ہے مری غالب بڑی فرماں روائی میں

در بستن تمثال تو حیرت رقم استی
بینش کہ بہ پرکار کشائے علم استی

غم رابہ تنو مندیِ سہراب گرفتم
خود موجِ مئے از دشنہء رستم چہ کم استی

بیداد بود یکسرہ بستن بہ کمر بر
زلفے کہ زانبوہِ دل خم بہ خم استی

خرسندیِ دل پردہ کشائے اثرے ہست
شادم کہ مرا ایں ہمہ شادی بہ غم استی

گفتن ز میاں رفتہ و دانم کہ نہ دانی
با من کہ بہ مرگم ز تو پرسش ستم استی

ایں ابر کہ شوید رخِ گل ہائے بہاری
ازدامن ما پرورش آموزِ نم استی

دریا دیہ از ریزشِ خوں نابہء مژگاں
روداد مرا ہر رگ خارے قلم استی

زاں ساں کہ نظر خیرہ کند برق جہاں سوز
با حرف تمنائے تو گفتن دژم استی

تمثال میں بس تیری تو حیرت ہی رقم ہے
بینش تو پئے کارکشائی علم ہے

ہر غم بہ تنومندیِ سہراب اٹھایا
خود موجہء مئے خنجرِ رستم سے نہ کم ہے ؟

اک ظلم ہے چھوڑے یہ کمر پر ترا پھرنا
باندھے ہوئے دل کتنے ہزار زلف کا خم ہے

خرسندیِ دل پردہ درِ بابِ اثر ہے
خوش ہوں کہ سبب میری خوشی کا ترا غم ہے

کہنا کہ خدا جانے کہاں یاں سے گیا ہے
مرنے کا مرے تجھ سے سخن؟ طرفہ ستم ہے!

یہ ابر کہ، دھوتا ہے جو ہر روئے گلِ تر
دامن سے مرے پرورش آموزیِ نم ہے

اس ریزشِ خوں نابہء مژگاں سے بہ ہر دشت
رودادِ رقم میری بہ ہر خارِ قلم ہے

جس طرح نظر خیرہ کرے برقِ جہاں سوز
اک حرفِ تمنا کی ترے بات، دژم ہے

در عہدِ تو ہنگامِ تماشائے گل از شرم
نظارہ وگل غرقہ، خوں ناب ہم استی

زیں نقشِ نو آئیں کہ برانگیختہ غالب
کاغذ ہمہ تن وقفِ سپاسِ قلم استی

قطعہ

زخمِ جگرم بخیہ و مرہم نہ پسندم
موجِ گہرم جنبش و رفتار ندانم

نقدِ خردم سکۂ سلطاں نہ پذیرم
جنسِ ہنرم گرمیِ بازار ندانم

شعر

ہمدمِ روزِ گدائی! سبک از جا برخیز
جاں گرو جامہ گرو رطلِ گرانے آور

شعر

صبح شد خیز! کہ روداد اثر بنمایم
چہرہ آغشتہ بہ خوں نابِ جگر بنمایم

کیا چہرہ کشا گل ہو کہ اس عہد میں تیرے
نظارہ و گل غرقہ، خوں ناب ہم ہے

کیا نقشِ نوی تو نے بھی کھینچا ہے یہ غالب
کاغذ بھی دل و جان سے مشکورِ قلم ہے

قطعہ

زخم جگر کو میرے نہیں ہے بخیہ و مرہم سے کچھ کام
موج گہر ہوں میں کیا جانوں، جنبش کیا رفتار ہے کیا

نقد خرد کو میرے کب ہے سکۂ سلطانی سے غرض
جنس ہنر ہوں میں کیا جانوں گرمی بازار ہے کیا

شعر

اے میرے افلاس کے مونس! جلدی جلدی اٹھ کر جا
جان و جامہ گروی رکھ کے رطل گراں میرے لیے لا!

شعر

صبح ہوئی، روداد شب ہجراں کا اثر بھی دکھلاؤں
خون جگر سے چہرہ ہوا آلودہ، اسے بھی بتلاؤں

بافصلے از حقیقت اشیا نوشتہ ایم
آفاق را مرادفِ عنقا نوشتہ ایم

ایماں بہ غیب تفرقہ ہا رفت از ضمیر
زاسما گذشتہ ایم و مسمیٰ نوشتہ ایم

عنوانِ راز نامہء اندوہ سادہ بود
سطرِ شکستِ رنگ بہ سیما نوشتہ ایم

قلزم فشانیِ مژہ از پہلوئے دل است
ایں ابر را برات بہ دریا نوشتہ ایم

درہیچ نسخہ معنیِ لفظِ امید نیست
فرہنگِ نامہ ہائے تمنا نوشتہ ایم

آئندہ و گزشتہ تمنا و حسرت است
یک' کاشکے ' بودکہ بہ صد جانوشتہ ایم

رنگِ شکستہ عرضِ سپاسِ بلائے تست
پنہاں سپردہ غم و پیدانوشتہ ایم

آغشتہ ایم ہرسرِ خارے بہ خونِ دل
قانونِ باغ بانیِ صحرا نوشتہ ایم

غالبؔ الف ہماں علمِ وحدت خوداست
بر لا چہ برفزود گرالا نوشتہ ایم

جب ہم نے بابِ ہستیِ اشیا رقم کیا
آفاق کو مرادفِ عنقا رقم کیا

ایماں جو غیب پر ہو تو مٹتے ہیں تفرقے
اسماء کو چھوڑ چھاڑ مسمّیٰ رقم کیا

اندوہ غم کے نامے کا عنوان سادہ تھا
خطِ شکستِ رنگ بہ سیما رقم کیا

قلزم فشانیِ مژہ پہلوئے دل سے ہے
اس ابر کی برات کو دریا رقم کیا

لفظِ امید کے کہیں معنی نہ مل سکے
گو دفترِ لغاتِ تمنا رقم کیا

ماضی ہے حسرت اور ہے مستقبل آرزو
اک لفظ 'کاشکے' کو بہ صد جا رقم کیا

چہرے کا میرے رنگ ستم سے ترے اڑا
پنہاں تھا غم تو اس کو ہویدا رقم کیا

ہر نوکِ خار دل کے لہو میں ڈبو کے پھر
قانونِ باغبانیِ صحرا رقم کیا

غالب الف خود آپ ہے وحدت کا اک علم
'لا' کیا سے کیا ہوا ہے جب 'الا' رقم کیا

فتنم کہ کہنگی ز تماشا برافگنم
در بزمِ رنگ و بو نمطے دیگر افگنم

در وجد اہل صومعہ ذوق نظارہ نیست
ناہیدرا بہ زمزمہ از منظر افگنم

ہنگامہ راانجم جنوں بر جگر زنم
اندیشہ راہوائے فسوں در سر افگنم

نخلم کہ ہم بہ جائے رطب طوطی آدم
ابرم کہ ہم بہ روئے زمیں گوہر افگنم

با غازیاں زِ شرحِ غمِ کارزارِ نفس
شمشیر بہ رعشہ زتن جوہر افگنم

بادیریاں زشکوہ بیداد اہل دیں
مہرے زخویشتن بہ دل کافر افگنم

ضعفم بہ کعبہ مرتبہ قرب خاص داد
سجادہ گستری تو ومن بستر افگنم

تا بادہ تلخ تر شودو سینہ ریش تر
بگدازم آبگینہ ودر ساغر افگنم

کیوں میں یہ کہنگی کی بساط اب الٹ نہ دوں
اس بزم رنگ وبو میں کوئی طرح نو رکھوں

کس بات پر ہیں وجد میں یہ اہل صومعہ
ناہید ٹوٹ جائے جو نغمہ میں چھیڑ دوں

بھردوں میں ہنگامہ میں دوزخ کا التہاب
افکار میں جنوں کا فسوں پڑھ کے پھونک دوں

طوطی ہیں جس پہ نغمہ زناں وہ شجر ہوں میں
گوہر زمین پر جو لٹائے وہ ابر ہوں

ان غازیانِ دیں کو بہ فیضِ جہادِ نفس
رعشے سے تن کے جوہرِ شمشیر بخش دوں

بیداد اہلِ دیں سے جو شاکی ہیں اہلِ دیر
کافر کے دل کو مہر و محبت سے جیت لوں

کعبے میں قربِ خاص ملا مجھ کو ضعف سے
سجادہ تو سنبھال لے، بستر میں ڈال لوں!

ہو تا کہ بادہ تلخ تر اور سینہ ریش تر
پگھلا کے آبگینے کو ساغر میں ڈال دوں

راہے زگنج دیر بہ مینو کشودہ ام
از خم کشم پیالہ و در کوثر افگنم

منصورِ فرقۂ علی اللہیاں منم
آوازۂ انا اسداللہ در افگنم

ورزندہ گوہرے چو من اندر زمانہ نیست
خود را بہ خاکِ رہ گزرِ حیدرؓ افگنم

غالبؔ بہ طرحِ منقبت عاشقانہ ای
رفتم کہ کہنگی ز تماشا بر افگنم

❁

قطعہ

اے نو بہار! چوں تن بسمل بہ خوں بہ غلط
اے روزگار! چوں شبِ بے ماہ تار شو
اے آفتاب! روئے بہ سیلی کبود کن
اے ماہتاب! داغِ دلِ روزگار شو

شعر

داغ احسان قبولی ز لئیمانش نیست
ناز برخرمی بخت ہنر داشتہ ایم

ڈھونڈا ہے گنجِ دیر سے جنت کا راستہ
خم سے پیالہ بھر کے میں کوثر میں ڈال دوں

منصورِ فرقۂ علی اللہیاں ہوں میں
دم دم بہ دم 'انا اسداللہ' کا بھروں

ہے مجھ سا کون گوہرِ ورزندہ دہر میں
لازم ہے خود کو خاکِ درِ حیدریؓ کروں

غالبؔ بہ طرحِ منقبتِ عاشقانہ آج
کیوں میں یہ کہنگی کی بساط اب الٹ نہ دوں

❁

قطعہ

بسمل کی طرح خون میں رُل! فصلِ نو بہار!
اے روزگار! ہاں شبِ تیرہ سا تار ہو
اے آفتاب! چہرہ طمانچوں سے کر کبود
اے ماہتاب! داغِ دلِ روزگار ہو!

شعر

داغ احسان قبولی تو لئیموں کا نہیں
ہم کہ ہیں خرمیِ بختِ ہنر پر نازاں

دل برد و حق آں ست کہ دلبر نتواں گفت
بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت

در رزم گہش ناچخ و خنجر نتواں برد
در بزم گہش بادہ و ساغر نتواں گفت

پیوستہ دہد بادہ و ساقی نتواں خواند !
ہموارہ تراشد بت و آذر نتواں گفت

ہنگامہ سر آمد چہ زنی دم زِ تظلم
گر خود ستمے رفت بہ محشر نتواں گفت

در گرم روی سایہ و سر چشمہ نجوئیم
با من سخن از طوبیٰ و کوثر نتواں گفت

آں راز کہ در سینہ نہاں ست نہ وعظ است
بر دار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ مارا
مومن نبود غالبؔ و کافر نتواں گفت

دل لے گیا پھر بھی اسے دلبر نہ کہا جائے
ہر ظلم سہا جائے ستمگر نہ کہا جائے

جب جنگ چھڑے تیغ نہ خنجر کی اجازت
جب بزم جمے بادہ و ساغر نہ کہا جائے

دے جام پہ جام اور نہ ساقی اُسے کہیے
بت روز تراشے مگر آزر نہ کہا جائے

ہنگامہ ہوا ختم نہ کر نالہ و فریاد
اک ظلم ہے یہ بھی، سرِ محشر نہ کہا جائے

سائے کی نہ چشمے کی طلب گرم روی میں
ہم سے سخنِ طوبیٰ و کوثر نہ کہا جائے

جو راز کہ سینے میں نہاں ہے وہ نہیں وعظ
ہاں دار پہ کہہ لیں سرِ ممبر نہ کہا جائے

غالبؔ سے عجب کام ہمیں آن پڑا ہے
مومن بھی نہیں اور اسے کافر نہ کہا جائے

به وادیی که در آں خضر را عصا خفت است
به سینه می سپرم ره اگرچه پا خفت است

بدیں نیاز که با تست ناز می رسدم
گدا به سایهء دیوار پادشا خفت است

به روزِ حشر چنیں خسته رو سیه خیزد
که در شکایتِ دردِ غم دوا خفت است

خروشِ حلقه رنداں ز نازنیں پسرے ست
که سر به زانوئے زاهد به بوریا خفت است

هوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز
گسسته لنگرِ کشتی و ناخدا خفت است

غمت به شهر شبیخوں زناں به بنگهء خلق
عسس به خانه و شه در حرم سرا خفت است

دلم به سبحه و سجاده و ردا لرزد !
که دزدِ مرحله بیدار و پارسا خفت است

درازی شب و بیداری من ایں همه نیست
ز بخت من خبر آرید تا کجا خفت است

راہ وہ جس میں عصا ہے خضر کا سویا ہوا
سینے کے بل چل رہا ہوں اور پا سویا ہوا

ناز اسی پر ہے مجھے، تجھ سے ہے مجھ کو جو نیاز
سایہء دیوارِ شہ میں ہے گدا سویا ہوا

صبح محشر خستہ تن اس طرح اٹھا جس طرح
مبتلائے درد ، جویائے دوا سویا ہوا

ہے خروش اک حلقہء رنداں میں، جب سے وہ حسیں
زانوئے زاہد پہ سر رکھے ملا سویا ہوا

رات تاریک اور ہوا دشمن تو طوفاں خیز بحر
ہوگیا لنگر شکستہ ، ناخدا سویا ہوا

تیرے غم نے شہر پر مارا ہے شب خوں اور ادھر
کو توالِ شہر ہو یا پادشا سویا ہوا

سبحہ و سجادہ سے میرا لرز جاتا ہے دل
جاگے دزدِ مرحلہ اور پارسا سویا ہوا

لمبی یہ شب اور یہ میرا جاگنا کچھ بھی نہیں
بخت یہ میرا رہے گا ، تا کجا سویا ہوا

به بین ز دور و مجو قرب شه که منظر را
دریچه بازو به دروازه اژدها خفته است

به راه خفتن من هر که بنگرد داند!
که میر قافله درکارواں سرا خفته است

دگر زایمنی راه و قرب کعبه چه حظ
مرا که ناقه زرفتار ماند و پا خفته است

به خواب چوں خودم آسوده دل مداں غالبؔ
که خسته غرقه به خوں خفته است تا خفته است

قطعه

برتر همی پرد ز ملک بهر کسر نفس
خود را به بند سلسلهٔ آدم افگنم
دوزند گر به فرض زمیں را به آسماں
حاشا! کزیں فشار در ابرو خم افگنم

دور ہی سے دیکھ! قربِ شاہ کی کوشش نہ کر
ہے دریچہ باز، در پر اژدہا سویا ہوا

جو مجھے رستے میں سوتا پائے گا، سمجھے گا وہ
واں سرائے میں ہے میرِ قافلہ سویا ہوا

راہ بھی پرامن ہے، نزدیک کعبہ بھی، مگر
ناقہ بے رفتار میرا اور پا سویا ہوا

غالبؔ اپنی طرح سے آسودہ دل مجھ کو نہ جان
خستہ تن ہے غرقِ خوں ہوکر سوا سویا ہوا

قطعہ

اونچا اڑوں ملک سے مگر بہرِ کسرِ نفس
آدم سے اپنا سلسلہ ہرحال میں ملاؤں
بالفرض آسماں کو زمیں پر اگر گرائیں
حاشا کہ میں فشار سے ابرو میں خم بھی لاؤں

سحر دمیده و گل در دمیدن است مخسپ
جهاں جهاں گل نظاره چیدن است مخسپ

مشام را به شمیم گلے نوازش کن
نسیم غالیه سا در وزیدن است مخسپ

ز خویش حسنِ طلب بیں و در صبوحی کوش
مئے شبانه ز لب در چکیدن است مخسپ

ستاره ء سحری مژده سنج دیدار یست
به بیں که چشمِ فلک در پریدن است مخسپ

تو محوِ خواب و سحر در تاسف از انجم !
به پشت دست به دنداں گزیدن است مخسپ

نفس ز ناله به سنبل درودن است بخیز !
ز خونِ دل مژه در لاله چیدن است مخسپ

نشاط گوش بر آوازِ قلقل است بیا
پیاله چشم براه کشیدن است مخسپ

نشانِ زندگی دل دویدن است مایست
جلائے آئینہ ء چشم دیدن است مخسپ

سحر ہوئی ہے وہ کھلنے لگے ہیں پھول نہ سو!
چمن چمن گلِ نظارہ چن ' فضول نہ سو!

مشامِ جاں کو نوازش شمیم گل بھی کر
نسیمِ صبح خراماں ہے ! بوالفضول نہ سو !

خود اپنا حسنِ طلب دیکھ ! اور صبوحی بھر
خمار و خواب کو اب اور دے نہ طول' نہ سو !

ستارۂ سحری لائے مژدۂ دیدار
کھلی وہ چشمِ فلک' ہو کے یوں ملول نہ سو !

تو محوِ خواب ادھر اور ادھر سرشکِ نجوم
گرا کے ہوتی ہے ذحتِ سحر ملول ! نہ سو!

ہر ایک سانس ہے نالے سے سنبل آور اٹھ !
مژہ پہ لالے کے کھلنے لگے ہیں پھول نہ سو!

نشاطِ گوش ہے آوازِ قلقلِ مینا
پیالہ راہ تکے ہے تری ' فضول نہ سو!

نشانِ زندگیِ دل ہے جنبش و حرکت
ہے آنکھ اگر تو نظر سے ہے' یہ نہ بھول نہ سو!

ز دیدہ سوئے حریفاں گشودن است مبند !
ز من مراد عزیزاں تپیدن است مخسپ
بہ ذکر مرگ شبے زندہ داشتن ذوقیست
گرت فسانۂ غالب شنیدن است مخسپ

رباعی

شرط است کہ روئے دل خراشم ہمہ عمر
خوں نابہ بہ رخ ز دیدہ پاشم ہمہ عمر
کافر باشم گر بہ مرگِ مومن
چوں کعبہ سیہ پوش نہ باشم ہمہ عمر

شعر

من آں نیم کہ ز مرگم جہاں بہم نہ خورد
فغان زاہد و فریاد برہمن یاد آر

ہے چشم وا میں ہی سوئے حریف، موند نہ آنکھ !
مرا دل سے تڑپنا ہے، سن اصول نہ سو !
اگر فسانۂ غالب ہی تجھ کو سننا ہے
تو ذکرِ مرگ سے دے دے کے شب کو طول نہ سو !

☆مخول ــ بے وقوف

رباعی

(مومن خاں مومن کے سانحۂ ارتحال پر)

لازم ہے کہ روئے دل کو نوچوں ہمہ عمر
آنکھوں کے لہو سے چہرہ دھوؤں ہمہ عمر
کافر ٹھہروں جو مرگِ مومن کے بعد
کعبے کی سیہ قبا نہ پہنوں ہمہ عمر

شعر

نہیں میں وہ کہ جس کی موت پر ہلچل نہ مچ جاتی
فغان زاہد کی، فریاد برہمن یاد کر لینا

بہ مشغل انتظار مہوشاں درخلوتِ شب ہا
سرِ تارِ نظر شد رشتۂ تسبیحِ کوکب ہا

بہ روئے برگِ گل تا قطرۂ شبنم پنداری
بہار از حسرتِ فرصت بدنداں میگزد لب ہا

بہ خلوت خانۂ کامِ نہنگ لا زدم خود را
ستوہ آمد دل از ہنگامۂ غوغائے مطلب ہا

کند گر فکرِ تعمیرِ خرابی ہائے ما گردوں
نیاید خشت مثلِ استخواں بیروں ز قالب ہا

خوشا بے رنگی دل دست گاہِ شوق را نازم!
نمی بالد بہ خوش ایں قطرہ از طوفانِ مشرب ہا

نہ دارد حسن در ہر حال از مشاطگی غفلت
بود تہہ بندیٔ خط سبزۂ خط در تہہِ لب ہا

خوشا رندی و جوش زندہ رود و مشرب عذلیش
بہ لب خشکی چہ میری در سرابستانِ مذہب ہا

تو خوی پنداری و دانی کہ جاں بردم نمی دانی
کہ آتش در نہادم آب شد از گرمیٔ تب ہا

مبادا از ہم چو تارِ سبحہ از ہم بگسلد غالب
نفس با ایں ضعیفی بر نتابد شورِ یارب ہا

ہے شغلِ انتظارِ مہوشاں اور خلوتِ شب ہے
سرِ تارِ نظر سر رشتۂ تسبیحِ کوکب ہے

نہیں تو موسمِ گل اپنے لب کاٹے گا حسرت سے
تو روئے گل پہ دیکھے قطرۂ شبنم اگر تب ہے!

درونِ حلقۂ کامِ نہنگِ لا فروکش ہوں
بہ ہر سو اک عجب ہنگامہ غوغائے مطلب ہے
اگر ہے آسماں کو فکر تعمیرِ خرابی کی
ہمارے استخواں سے بڑھ کے کوئی خشت یاں کب ہے

خوشا بے رنگیٔ دل، دست گاہِ شوق کے صدقے
یہ قطرہ خاک ابھرے گر یہی طوفانِ مشرب ہے!
نہیں غافل کسی بھی حال میں مشاطگی سے حسن
عجب تہہ بندیٔ خط سبزۂ خط میں تہہِ لب ہے

سرابستانِ مذہب میں نہ دے جاں تشنہ لب ہو کر
مے آشامی کنارِ رود، ہم مستوں کا مشرب ہے
پسینہ تو نے جانا اور یہ سمجھا کہ میں چھوٹا
یہ آتش مجھ میں پانی ہو گئی وہ گرمیٔ تب☆ ہے!
مثالِ تارِ سبحہ ٹوٹ کر اک دن بکھر جائے
ارے غالب ضعیفی میں کہاں کا شورِ یارب ہے

☆ تب: تپ، بخار

چوں عکس پل بہ سیل بہ ذوقِ بلا برقص
جا را نگاہ دار و ہم از خود جدا برقص

نبود وفائے عہد دمے خوش غنیمت است
از شاہداں بہ نازشِ عہدِ وفا برقص

ذوقے ست جستجو چہ زنی دم ز قطعِ راہ
رفتار گم کن و بہ صدائے درا برقص

سرسبزہ بودہ و بہ چمن پا چمیدہ ایم
اے شعلہ در گدازِ خس و خارِ ما برقص

ہم بر نوائے چغد طریقِ سماع گیر
ہم در ہوائے جنبشِ بالِ ہما برقص

در عشق انبساط بہ پایاں نمی رسد
چوں گردباد خاک شو و در ہوا برقص

فرسودہ رسم ہائے عزیزاں فروگذار
در سور نوحہ خوان و بہ بزمِ عزا برقص

چوں چشمِ صالحاں ولائے منافقاں
در نفس خود مباش و لے برملا برقص

از سوختن الم، ز شگفتن طرب مجوئے
بیہودہ در کنارِ سموم و صبا برقص

غالبؔ بدیں نشاط کہ وابستہ ای کئی؟
بر خویشتن ببال و بہ بندِ بلا برقص

جوں سایۂ پل سیل پہ، باذوقِ بلا ناچ
جا اپنی نہ چھوڑ اور یونہی خود سے جدا ناچ

کرتا ہے وفا عہدِ وفا کون یہاں پر
ہو کر یونہی سرمست مئے عہدِ وفا ناچ

کیا طے مسافت کا جنوں! ذوقِ عمل مانگ
رفتار کو بھول اور بہ غوغائے درا ناچ!

ہم سبزہ تھے گلشن میں بہت جھوم چکے ہیں
اے شعلے ہمارے خس و خاشاک میں آ! ناچ!

کر ذوقِ سماع اخذ نواہائے چغد سے
جنبش میں پر و بالِ ہما کی بھی ذرا ناچ!

ناداں! طربِ عشق کا پایاں ہی نہیں ہے
بن خاک، بگولے کی طرح، اور دکھا ناچ

کر ترک عزیزوں کی یہ فرسودہ سی رسمیں
کر گریہ طرب گاہ میں، ہنگامِ عزا ناچ

صالح کا تبرا نہ منافق کا تولا!
آلودہ نہ کر نفس کو باذوقِ ابا ناچ!

جلنے میں تڑپ دیکھ نہ کھلنے میں طرب ڈھونڈ
مسموم فضا ہو کہ ہو آغوشِ صبا ناچ

تا چند نشاط و طرب و عیش [illegible] غالبؔ
کر خود کو بلند اور بہ صد بند [illegible] نچا!

به خوں تپم به سر رہگذر دروغ دروغ !!!
نشاں دہم به رہت صد خطر دروغ دروغ !

مرا بگفت بد آموز بیم ناک مباش
من و ز ناله تلاشِ اثر سحر دروغ دروغ !

فریب وعدهٔ بوس و کنار یعنی چه
دہن دروغ دروغ و کمر دروغ دروغ

طراوتِ شکنِ جیب و آستینت کو؟
ز نامه دم مزن اے نامه بر! دروغ دروغ !

من و به ذوقِ قدم ترکِ سر درست درست !
تو و ز مہر به خاکم گزر دروغ دروغ!

تو و ز بے کسی ام ایں همه شگفت شگفت
من و به بندگیت ایں قدر دروغ دروغ !

اگر به مہر نخواندی به ناز خواہی کشت
به ہرچه وعده کنی سر به سر دروغ دروغ !

دگر کرشمه در ایجادِ شیوهٔ نگہے است
تو و ز عربده قطعِ نظر دروغ دروغ!

دریں ستیزه ظہوریؔ گواه غالبؔ بس
من و ز کوئے تو عزمِ سفر دروغ دروغ

پڑوں میں رہ میں تری؟ سر بہ سر سراسر جھوٹ !
ہیں مجھ سے رہ میں تری سو خطر! سراسر جھوٹ !

کہا یہ مجھ سے : بدآموز بیم ناک نہ بن!
میں اور نالے میں ڈھونڈوں اثر ؟ سراسر جھوٹ !

فریبِ وعدۂ بوس و کنار ! ارے توبہ
دہن ہے جھوٹ سراسر، کمر سراسر جھوٹ !

طراوت شکنِ جیب و آستیں ہے کہاں ؟
کہاں ہے اس کا خط اے نامہ بر سراسر جھوٹ !

میں ترکِ سر تری رہ میں کروں؟ درست درست !
ہو میری خاک پہ تیرا گزر سراسر جھوٹ !

تو بیکسی پہ مری اور اس قدر حیراں
میں بندگی میں تری اس قدر سراسر جھوٹ!

اگر نہ پیار سے بلوائے ناز ہی سے مار!
نہیں کہ وعدہ ترا سر بہ سر سراسر جھوٹ !

دکھا کرشمہ نیا شیوۂ نگہ کا کوئی
تو اور جنگ سے قطعِ نظر سراسر جھوٹ!

یہاں بہت ہے ظہوریؔ گواہ غالبؔ کا
میں اور کوچے سے عزمِ سفر؟ سراسر جھوٹ

گفتم ز شادی نبودم گنجیدن آساں در بغل
تنگم کشید از سادگی در اصل جاناں در بغل

نازم خطر ورزیدنش وان ہرزہ دل لرزیدنش
چینے بہ بازی بر جبیں دستے بہ دستاں در بغل

آواز تنگ پیراہنی کافزوں شدش تردامنی
تا خوی بروں داد از حیا گردید عریاں در بغل

دانش بہ مے در باختہ خود را ز من نشناختہ
رخ در کنارم ساختہ از شرم پنہاں در بغل

گاہم بہ پہلو خفتہ خوش بستی لب از حرف و سخن
گاہم بہ بازو ماندہ سر سودی زنخداں در بغل

ناخواندہ آمد صبح گہہ بند قبایش بے گرہ
وندر طلب منشورِ شہ نکشودہ عنواں در بغل

مے خوردہ در بستاں سرا مستانہ گشتی سو بہ سو
خود سایہ او را از و صد باغ و بستاں در بغل

چوں غنچہ دیدی در چمن گفتی بہ گلبن کت زمن
چوں رفتہ ناوک از جگر چوں ماندہ پیکاں در بغل

ہاں غالبِ خلوت نشیں بیم چناں عیش چنیں
جاسوسِ سلطاں در کمیں مطلوبِ سلطاں در بغل

میں نے جو چاہے کہوں شادی ابھی سے جب کہ بس
تن کر بغل میں اس طرح کھینچے مجھے جاناں کہ بس!

اس کی خطر ورزیدنی ہے جس سے دل لرزیدنی
کیسے وہ ہے چیں بر جبیں تیکھی ہے دست افشاں کہ بس

اف! وہ تنگ پیراہنی جس سے بڑھے تر دامنی
پانی حیا سے ہو کے وہ ایسا ہوا عریاں کہ بس!

پی کر وہ مست ایسا ہوا رکھا نہ کوئی فاصلہ
شرم کے پہلو میں مرے یوں ہو گیا پنہاں کہ بس!

چپ چاپ وہ آ کر کبھی پہلو میں میرے سو رہا
بازو پہ سر رکھ کر کبھی یوں کر گیا حیراں کہ بس!

ناگاہ آیا صبح دم، کھولے ہوئے بند قبا
جیسے بغل میں شاہ کا منشور بے عنواں کہ بس!

بستاں سرا میں مے پیے، سرشار و مستانہ پھرے
خود سائے میں اس کے کھلیں صد باغ و صد بستاں کہ بس

دیکھے چمن میں پھول جب، بولا مرے دم سے ہے سب
ناوک کی صورت چل پڑا، بیٹھا تو جوں پیکاں کہ بس

ہاں غالبِ خلوت نشیں! ہے خوف بھی اور عیش بھی
معشوق سلطاں در بغل جاسوس سرگرداں کہ بس

شاہا! بہ بزم جشن چو شاہاں شراب خواہ
زر بے حساب بخش و قدح بے حساب خواہ

بزمت بہشت و بادہ حلال است در بہشت
گر باز پرس رو دہد از من جواب خواہ!

تو پادشاہ عہدے و بخت تو نوجواں
برخور ز عمر و بادہ نشاط از شباب خواہ

در روزہائے فرخ و شب ہائے دل فروز
صہبا بہ روز ابر و شب ماہتاب خواہ

درخور نباشد ار مئے گل گوں بہ ہیچ رو
شربت بہ جام لعل ز قند و گلاب خواہ

خونِ حسود در دمِ شادی شراب گیر
چوں بادہ ایں بود دلِ دشمن کباب خواہ

گل بوئے و شعر گوئے و گہر پاش و شاد باش
مستی ز بانگِ بربط و چنگ و رباب خواہ

خونِ سیاہ نافۂ آہو چہ بو دہد
از حلقہ ہائے زلفِ بتاں مشکِ ناب خواہ

خواہش ازیں گروہ پری چہرہ ننگ نیست
از چشم غمزہ و ز شکن طرّہ تاب خواہ

شاہوں کی طرح جشن میں شاہا! شراب مانگ
زر بے حساب بخش، قدح بے حساب مانگ

جنت ہے تیری بزم جہاں مئے حلال ہے
گر کوئی معترض ہو تو مجھ سے جواب مانگ

تو بادشاہ عہد ہے، قسمت تری جوان
باج نشاط دیتا ہے تجھ کو شباب مانگ

در روزہائے فرخ و شب ہائے دل فروز
صہبا بہ روز ابر و شب ماہتاب مانگ

حاصل نہ ہو سکے مئے گل گوں اگر تو پھر
ساغر میں اپنے شربت قند و گلاب مانگ

اور حاسدوں کے خون سے جام شراب بھر
اس مئے پہ دشمنوں کے دلوں کے کباب مانگ

گوہر بکھیر شعر سنا، ہنس کے بات کر
مستی زبانگِ بربط و چنگ و رباب مانگ

خونِ سیاہ نافۂ آہو میں بو کہاں
زلفِ بتاں میں قید ہے جو مشک ناب مانگ

خواہش پری وشوں کی اگر ہے تو عار کیا
آنکھوں سے غمزہ طرّۂ مشکیں سے تاب مانگ

از راز با حکایت ذوق نگاه گوے
نظاره را کشش بند نقاب خواه

هر چند خواستن نه سزاوار شان تست
قوت ز طبع و نظر از آفتاب خواه

در تنگ هاے غنچه کشش ز هوا جوے
در جوے بار باغ روانی ز آب خواه

در چنگ و ساز گوے نشاط از بهار بر
در ریزش وجود جبلتِ خویش از سحاب خواه

از شمع طور خلوتِ خود را چراغ نه
از زلفِ حور خیمهٔ خود را طناب خواه

از آسمان نشیمن خود را بساط ساز
از ماه نو جنیبت خود را رکاب خواه

در حقِ خود دعاے مرا مستجاب دان
در بارهٔ من از کفِ خود فتحِ باب خواه

غالب قصیده را به شمارِ غزل در آر
وز شه برین غزل رقمِ انتخاب خواه

رازوں میں راز کہہ کوئی ذوق نگاہ کا
کاموں میں کچھ کشش بند نقاب مانگ

ہر چند مانگنا نہیں شایان شان مرے
طبع سے قوت اور نظر از آفتاب مانگ

غنچے کی تنگیوں میں کشش ہوا سے ڈھونڈ
گلشن کی آبجو میں روانی آب مانگ

لے جا نشاط و نغمہ میں بازی بہار سے
جود و سخا میں فطرتِ خاص سحاب مانگ

خلوت میں شمع طور جلا اور خیمے کی
زلف سیاہ حور سے بڑھ کر طناب مانگ

پھر آسماں سے اپنے نشیمن کی رکھ بساط
اور ماہِ نو سے اپنے فرس کی رکاب مانگ

حق میں خود اپنے میری دعا مستجاب جان
اور میرے حق میں اپنے لئے فتح باب مانگ

غالبؔ قصیدہ ایک بہ طرز غزل سنا
اور شہ سے اس غزل پہ زرِ انتخاب مانگ

دارم دلے ز غصہ گراں بار بودہ ای
برخویشتن ز آبلہ چیزے فزودہ ای

گم نام وزہد کیشم و خواہم بہ من رسد
در رخت خواب شاہ بہ مستی غنودہ ای

خواہم زخواب بر رخ لیلیٰ کشایمش
چشمے، کہ بہ پردۂ محمل نہ سودہ ای

خواہم شود بہ شکوہ و پیغارہ رام من
درگو نہ گوں ادا، بہ زباں باستودہ ای

با دین و دانش چومنے تا چہا کند
سجادہ و عمامہ زِ صنعاں ربودہ ای

بادوستان مباحثہ دارم بہ سادگی
در باب آشنائی ناآزمودہ ای

خجلت نگر کہ درحسنا تم نیا فتند
جز روزہٗ درست بہ صہبا کشودہ ای

در بزم غالبؔ آو بہ شعر و سخن گرائی
خواہی کہ مثنوی سخن ناشنودہ ای

رکھتا ہوں دل گراں غم و غصے کے بوجھ سے
کچھ اور بھی ہے، تن پہ نہیں صرف آبلے

گم نام و زہد کیش ہوں لیکن ہے آرزو
وہ شاہِ حسن خواب میں آئے چھپے ہوئے

چاہوں کہ خواب میں رخِ لیلیٰ بھی دیکھ لوں
جس نے نہ دیکھی پردۂ محمل، اس آنکھ سے

چاہوں کہ میرے شکوہ و طعنہ سے رام ہو
دل کش ادائیں جس کی ہیں، لہجہ ستودہ ☆ ہے

کیا حشر ہوگا دانش و دیں کا مرے جناب!
صنعاں ☆ سے جب عمامہ و سجادہ چھن گئے!

کرتا ہوں دوستوں سے بڑی سادگی سے بحث
اک آشنا کے باب میں پرکھا نہیں جسے!

شرمندہ ہوں کہ کچھ نہ مری نیکیوں میں تھا
جز روزۂ درست کہ کھولا شراب سے!

غالبؔ کی بزم شعر و سخن میں تو آکے سن!
ایسے سخن کہ تونے جواب تک نہیں سنے!

گر نہ نوابا سرودے چہ غم استی
من کہ بغم گر نبودے چہ غم استی

زنگ زدودن نبود ز آئینہ گلفت
گر بہ صورت زدودے چہ غم استی

بخت خودرا بودے کے تا بہ قیامت
بے خبر از خود غنودے چہ غم استی

نے بہ سخن مرد نے ستائش اگر من
کشت کدیور درودے چہ غم استی

نیست مشام شمیم جوئے اگر من
غالیہ چندیں نہ سودے چہ غم استی

چوں در دعویٰ چناں بہ لغو کشودن
من بہ ہنر گر کشودے چہ غم استی

چوں دل یاراں تواں بہ ہزل ربودن
من بہ سخن گر ربودے چہ غم استی

گر بہ مثال لال گشتمے کہ بہ مستی
گفتہ خود را ستودے چہ غم استی

قافیہ غالبؔ چو نیست پس ز عرفیؔ
گر من فرہنگ بودے چہ غم استی

نہیں ہوتا نوا کا مجھ کو سودا تو برا کیا تھا
یہ میں' ناچیز پیدا ہی نہ ہوتا تو برا کیا تھا

کھرچنا زنگ کا آئینہ کلفت سے لاحاصل
میں آئینے سے صورت ہی کھرچتا تو برا کیا تھا

اگر میرا مقدر اس طرح ہی تا قیامت ہے
تو میں بھی بے خبر' مخمور رہتا تو برا کیا تھا

صلہ گوئی سخن کا ہے نہ توفیق ستائش ہے
میں دہقاں کی طرح ہل ہی چلاتا تو برا کیا تھا

مشام' افسوس جویائے شمیم گل نہیں ، مجھ کو
یہ شوق عنبر افشانی نہ ہوتا تو برا کیا تھا

اگر یاں لغو گوئی ہی سے کھلتا ہے در دعویٰ
ہنر سے اپنے میں نے اس کو کھولا تو برا کیا تھا

ہزل گوئی سے یاروں کا بہلتا ہے اگر دل تو
میں اس ذوق سخن سے ہاتھ اٹھاتا تو برا کیا تھا

اگر گونگے کی صورت مجھ کو مرنا تھا تو ہو کر مست
سخن پر اپنے اپنا سر میں دھنتا تو برا کیا تھا

نہیں ہے قافیہ غالبؔ کوئی تو پوچھ عرفیؔ سے
اگر میں بھی کوئی فرہنگ ہوتا تو برا کیا تھا

چوں زباں بالال وجاں باپر زغوغا کردہ ای
بایدت از خویش پرسید آنچہ باما کردہ ای

گرنہ ای مشتاق عرض دست گاہ حسن خویش
جاں فدایت دیدہ رابہر چہ بینا کردہ ای

گفت دوزخ در نہاد شرمساری مضمر است
انتقام است اینکہ با مجرم مدارا کردہ ای

صد کشاد آں را کہ ہم امروز رخ بنمودہ ای
مژدہ باد آں را کہ محو ذوق فردا کردہ ای

خوب رویاں چوں مذاق خوئے ترکاں داشتند
آفرینش را بریشاں خوانِ یغما کردہ ای

خستگاں رادل بہ پرسش ہائے پنہاں بردہ ای
با دہ ستاں گر نوازش ہائے پیدا کردہ ای

ذرہ ای را روشناس صد بیاباں گفتہ ای
قطرہ ای را آشنائے ہفت دریا کردہ ای

گنگ کر ڈالی زباں، جاں میں بپا غوغا کیا
پوچھ اپنے آپ سے، یہ تو نے مجھ سے کیا کیا

گر نہیں مشتاق اپنی جلوہ سامانی کا تو
جاں ترے صدقے! پھر ان کی آنکھوں کو کیوں بینا کیا

سات دوزخ ہیں نہاد شرمساری میں نہاں
کرکے خاطر بدلہ مجرم سے لیا، اچھا کیا!

آج جن کو اپنی چھب دکھلائی بھاگ ان کے کھلے
مژدہ ان کو جن کو محو جلوۂ فردا کیا

خوب رویوں کو عطا کی خوئے ترکانہ. جہاں
خوانِ یغما بھی پھر ان کے واسطے پیدا کیا

دل، تھکے ہاروں کا پرسش ہائے پنہاں سے لیا
دز، بھلے چنگوں پہ، وا لطف و نوازش کا کیا

روشناسِ صد بیاباں کردیا اک ذرے کو
آشنائے ہفت دریا تو نے اک قطرہ کیا

☆ شیخ صنعاں کا قصہ شیخ فریدالدین عطارؒ (وفات ۱۲۲۰ء) نے اپنی کتاب منطق الطیر میں بیان کیا ہے کہ شیخ صنعاں ایک نہایت درجہ صوفی صافی اور عابد وزاہد بزرگ تھے۔ ایک عیسائی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہوکر اس کی رضا جوئی میں اس قدر منہمک ہوگئے کہ آئینِ شرعیہ اور اقدار رسمیہ سے بے پرواہ ہوکر اس کی خوش نودی کے لیے اس کے سوروں کا ریوڑ ہانکنے اور ان کی نگہداشت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اپنی تسبیح کو نکال کر انھوں نے مسیحی زنار بنالیا جسے پہن کر پھرا کرتے تھے۔ (مترجم) ☆ قابل تعریف

وجد می جوشد ہمانا دیدہ با جوی تست
شعلہ می بالد مگر در سینہ جا کردہ ای

جلوہ و نظارہ پنداری کہ از یک گوہر است
خویش را در پردۂ خلقے تماشا کردہ ای

چہرہ در سنگ و گیہ و رنج با جاں دادہ بود
پیش ازاں کاں می رسد آں را مہیا کردہ ای

دیدہ می گرید، زباں می نالد و دل می تپد
عقدہ با از کارِ غالب سر بہ سروا کردہ ای

رباعی

دارم دل شاد و دیدۂ بینائے
وز کری گوشم نہ بود پروائے
خوب است کہ نشنوم زہر خود رائے
گل بانگ انا ربکمہ الاعلائے

شعر

دیدہ ور آں کہ تا نہد دل بہ شمار دل بری
در دل سنگ بنگرد رقص بتانِ آزری

وجد جیسے جوش میں، آنکھوں کو تیری جستجو
شعلہ اٹھے جیسے یوں سینے میں ہنگامہ کیا

جلوہ و نظارہ گویا ایک ہی جوہر سے ہیں
خلق کے پردے میں خود اپنا ہی نظارا کیا

چہرہ سنگ و گیاہ میں تو رنج جاں داروں میں تھا
اس سے پہلے یہ جنم لیں، تو نے وہ پیدا کیا

آنکھ گریاں ہے زباں نالاں ہے دل ہے مضطرب
کارِ غالب کا تو اک اک عقدہ تو نے وا کیا

رباعی

رکھتا ہوں دلِ شاد و دیدۂ بینا میں
بہرا ہوکر ہوا ہوں بے پروا میں!
اچھا ہے کہ سنتا نہیں ہر خود سر سے
گل بانگِ انا ربکم الاعلیٰ میں!

شعر

کرتا ہے دیدہ ور کوئی جب بھی شمار دل بری
دیکھے وہ قلب۔ سنگ میں رقصِ بتانِ آزری

❁

در پردہ شکایت ز تو داریم و بیاں ہیچ
زخم دل ما جملہ دہان است و زباں ہیچ

اے حسن! اگر از راست نہ رنجی! سخنے ہست
نازاں ہمہ یعنی چہ کمر ہیچ و دہاں ہیچ

بر گریہ بیفزود ز دل ہرچہ فرو ریخت
در عشق بود تفرقۂ سود و زیاں ہیچ

تن پروریِ خلق فزوں شد ز ریاضت
جز گرمی افطار نہ دارد رمضاں ہیچ

دنیا طلباں! عربدہ مفت است، بکوشید!
آزادی ما ہیچ و گرفتاری تاں ہیچ

پیمانۂ رنگیست دریں بزم بگردش
ہستی ہمہ طوفانِ بہار است، خزاں ہیچ

عالم ہمہ مراتِ وجود است، عدم چیست!
تا کار کند چشم محیط است و کراں ہیچ

در پردۂ رسوائی منصور نوائے ست
رازت نشنودیم ازیں خلوتیاں ہیچ

غالبؔ ز گرفتاری اوہام بروں آئی
باللہ جہاں ہیچ و بد و نیک جہاں ہیچ

❁

در پردہ گلہ تجھ سے ہے مجھ کو یہ بیاں ہیچ
دل کا مرے ہر زخم دہاں ہے، یہ زباں ہیچ

اے حسن! خفا سچ سے نہ ہو تو، تو کہوں گا
کس بات پہ نازاں ہے؟ کمر ہیچ، دہاں ہیچ

جو دل نے گنوایا وہ مرے اشک نے پایا
ہے عشق میں یہ تفرقۂ سود و زیاں ہیچ

تن پروریِ خلق ریاضت سے فزوں ہے
سرگرمیِ افطار ہے ورنہ رمضاں ہیچ

دنیا طلبو! مفت کی ہے جنگ لڑے جاؤ
ہو قید کہ آزادی کبھی کچھ ہے یہاں ہیچ

اس بزم میں گردش میں ہے پیمانۂ رنگیں
ہستی ہمہ طوفانِ بہاراں ہے، خزاں ہیچ

عالم ہے یہ مراتِ وجود اور عدم کیا
ہر شئے ہے محیط آنکھ کھلی ہو تو کراں ہیچ

ہے پردۂ رسوائی منصور میں اک راز
وہ راز نہاں تیرا نہیں ہوتا عیاں ہیچ
باہر نکل آ قید سے اوہام کی غالب
واللہ جہاں ہیچ و بد و نیک جہاں ہیچ

نومیدی ما گردش ایام نہ دارد
روزی کہ سیہ شد سحر و شام نہ دارد

بوسم لب دلدار و گزیدن نتوانم
نرم است دلم حوصلۂ کام نہ دارد

مفرست طواف حرم دوست نسیمے
کز نکہت گل جامۂ احرام نہ دارد

ہر ذرہ خاکم ز تو رقصاں بہ ہوائے ست
دیوانگیِ شوق سر انجام نہ دارد

رو تن بہ بلا دہ کہ دگر بیم بلا نیست
مرغ قفسی کشمکش دام نہ دارد

بے نقش وجودِ تو سرائے پا منِ از ضعف
چوں بستر خواب است کہ اندام نہ دارد

گردیدہ نشاں ہا ہدف تیر بلاہا
آسائش عنقا کہ بجز نام نہ دارد

نومیدی ہے میری کبھی پھرتے نہیں ایام!
اس روز سیہ کی نہ سحر ہے نہ کوئی شام

چومے لب دلدار مگر کاٹ نہ کھائے
دل نرم ہے میرا نہ رکھے حوصلۂ کام

سوئے حرمِ دوست تو بھیجو نہ صبا کو
نکہت کا نصیب اس کو نہیں جامۂ احرام

ہر ذرہ مری خاک کا رقصاں ہے ہوا میں
رکھتی نہیں دیوانگیِ شوق سر انجام

شئے کوئی نہیں بیمِ بلا، نذرِ بلا ہو
جانے نہ کبھی مرغِ قفس کشمکشِ دام

بے نقش وجود آہ! نہ تیرا ہو تو پھر میں
بستر ہوں اک ایسا نہیں جس میں کوئی اندام

یاں جو بھی نشاں ہے ہدفِ تیرِ بلا ہے
عنقا کے مزے ہیں کہ نہیں کچھ بھی بجز نام

بلبل بہ چمن بنگر و پروانہ بہ محفل
شوق است کہ در وصل ہم آرام نہ دارد

آیا بہ دلت وسوسۂ کسب ہوا نیست
یا آنکہ سرائے تو لب بام نہ دارد

بوسے کہ ربایند بہ مستی ز لب یار
نغز است ولے لذتِ دشنام نہ دارد

ہر رشحہ بہ اندازۂ ہر حوصلہ ریزند
مے خانۂ توفیق خم و جام نہ دارد

غالبؔ کہ بہ است از غزلم مصرع استاد
بادام صفائے گل بادام نہ دارد

❁

قطعہ

خجل ز راستیِ خویش می تواں کردن
ستم بہ جانِ کج اندیش می تواں کردن

تو جمع باش کہ مارا دریں پریشانی
شکایت ایست کہ با خویش می تواں کردن

وہ شمع پہ پروانہ کہ ہو پھول پہ بلبل
خود وصل میں بھی شوق کو حاصل نہیں آرام

بادل میں نہیں حوصلۂ کسب ہوا ہی ؟
حاصل نہیں یا تیری سرائے کو لب بام ؟

بوسہ جو لب یار سے مستی میں چرایا
اچھا تو ہے لیکن نہیں وہ لذتِ دشنام

ہر رشحہ بہ اندازۂ ہر حوصلہ ٹپکے
مے خانۂ توفیق میں خم ہے نہ کہیں جام

غالبؔ کی غزل اور کہاں مصرع استاد
رکھتا نہیں بادام صفائے گل بادام !!!

❁

قطعہ

اپنے سیدھے پن سے جہاں کو خجل کیا تو ہو سکتا ہے
اپنی جانِ کج اندیش پہ ظلم یہ توڑا جا سکتا ہے

خاطر جمع رہو کہ مجھ کو اپنی ساری پریشانی میں
اپنے آپ ہی سے ہے شکایت اور کسی سے کیا شکوا ہے

اندودہ بہ داغے دوسہ پر کالہ فرو ریخت
چوں برگِ شقائق جگر از نالہ فرو ریخت

گفتم ز کہ پرسم خبرِ عمرِ گذشتہ
ساقی بہ قدح بادۂ دہ سالہ فرو ریخت

باموجِ خرامش سخن از بادہ گوئید
کابِ رخ ایں جوہرِ سیالہ فرو ریخت

چوں انجم و خورشید ز برقِ دمِ گرمم
شیرازہ جمعیت تبخالہ فرو ریخت

رشکِ خطِ روئے تو گر افشرد بدیں رنگ
بینی کہ مہ از دائرۂ بالہ فرو ریخت

در قالب ما اثرش پردہ کشا شد
خاکے کہ قضا در تن گوسالہ فرو ریخت

وز ریزہ سر اہلِ سخن از بیم تو غالبؔ
گوئی رگِ ابرِ قسمت ژالہ فرو ریخت

سوزندہ عجب میری بھی وہ نالہ کشی تھی
اک آدھ پرت داغ پہ اور اس نے چڑھا دی

یوں میرا جگر نالے سے کٹ کٹ کے گرا ہے
لالے کی اک اک جیسے بکھر جاتی ہے پتی

لوں کس سے بتا تو خبرِ عمرِ گزشتہ
ساقی نے قدح میں مئے دہ سالہ انڈیلی!

مئے کیسی کہ سب آبِ رخِ جوہرِ سیال
مٹی میں ملا ڈالا ہے رفتار نے اس کی!

شیرازۂ جمعیتِ تبخالہ بکھیرا
جوں انجم و خورؔ برقِ دمِ گرم نے میری!

ہو سبزۂ خط سے جو یہی رشک کا عالم
خود ٹوٹ گرے دائرۂ ہالہ سے مہ بھی

ہے قالب میں ملا میں اثر اس کا نمایاں
ڈالی جو گئی تھی تنِ گوسالہ میں مٹی!

ڈر ڈر کے عجب سر کو بچاتے ہیں سخنور
یوں اولے سے برساتا ہے غالبؔ کا قلم بھی

در گردِ نالہ وادیِ دل رزم گاہِ کیست ؟
خونے کہ می رود بہ شرائیں سپاہِ کیست ؟

حسن تو در حجاب ز شرمِ گناہِ کیست ؟
جا بر کرشمہ تنگ ز جوشِ نگاہِ کیست ؟

مست و رخ کشادہ بہ گلزار می رود
خوں در دلِ بہار ز تاثیر آہ کیست ؟

ما با تو آشنا و تو بیگانہ ای زما!
آخر تو و خدا کہ جہانے گواہ کیست ؟

زینساں کہ بر سرِ گل و ریحان و سنبل است
طرفِ چمن نمونۂ طرفِ کلاہِ کیست ؟

رشک آیدم بہ روشنیِ دیدہ ہائے خلق
دانستہ ام کہ از اثر گردِ راہِ کیست ؟

با من بہ خوابِ ناز و من از رشک بدگماں
تا عرصۂ خیالِ عدو جلوہ گاہِ کیست ؟

بے خود بہ وقتِ ذبح تپیدن گناہِ من
دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہِ کیست ؟

غالبؔ حسابِ زندگی از سر گرفتہ است
جاناں! بہ من بگو کہ غمت داد خواہِ کیست ؟

بھری ہے نالوں سے وادیِ دل مگر یہ ہے رزم گاہ کس کی ؟
رگوں میں جو خون دوڑتا ہے بتا ہے آخر سپاہ کس کی ؟

ارے یہ جوشِ نگاہ ہے کیا؟ کہ خود کرشمے پہ تنگ ہے جا
جو حسن تیرا حجاب میں ہے تو ہے یہ شرمِ نگاہ کس کی ؟

نقاب چہرے سے اپنے الٹے نکل پڑا سیرِ گل کو لیکن
بہار کا دل جو خوں ہوا تو ہے یہ تاثیر آہ کس کی ؟

یہ ہم کہ تیرے ہی آشنا ہیں یہ تو کہ بیگانہ دش ہمیں سے
خدا جو آخر ہے تو' تو پھر ہے جہاں یہ فرد گواہ کس کی ؟

کھلے ہیں ہر سمت لالہ و گل بنفشہ و موتیا و سنبل
نمونہ کس کا ہے سب یہ؟ طرفِ چمن ہے طرفِ کلاہ کس کی ؟

چمک یہ خلقِ خدا کی آنکھوں میں دیکھ کر مجھ کو رشک آئے
کہ جانتا ہوں دکھا رہی ہے اثر یہاں گردِ راہ کس کی ؟

وہ میرے پہلو میں سو رہا ہے مگر مجھے ہے یہ بدگمانی
خدانہ کردہ ادھر خیالِ عدو میں ہے جلوہ گاہ کس کی ؟

یہ تیرے خنجر کے نیچے آ کر مرا تڑپنا گناہ میرا
مگر یہ دانستہ تیز خنجر نہ کرنا طرزِ گناہ کس کی ؟

نئے سرے سے لگانے بیٹھا ہے زندگی کا حساب غالبؔ
بتا ترے غم کی بے پناہی ہے جانِ جاں! داد خواہ کس کی ؟

درتابم از خیال کہ دل جلوہ گاہ کیست ؟
داغم ز انتظار کہ چشمش براہِ کیست ؟

از نالہ خیزیِ دلِ سختش در آتشم
کایں سنگِ پر شرر ز ہجومِ نگاہ کیست ؟

چشمش پر آب از تفِ مہر پری وشے است
من در گماں کہ از اثرِ دودِ آہ کیست ؟

ظالم تو و شکایتِ عشق ایں چہ ماجراست
بارے بہ من بگو کہ دلت دادخواہ کیست ؟

نیرنگِ عشق شوکتِ رعنائی تو برد
در طالعِ تو گردشِ چشمِ سیاہ کیست ؟

بایں ہمہ شکست درستی ادائے اوست
رنگِ رخت نمونۂ طرفِ کلاہ کیست؟

باتو بہ چند حرف بہ تلخی گناہِ من
بامن بہ عشق غلبہ بہ دعویٰ گناہ کیست ؟

❀❀❀

❀

ہوں مضطرب اس خیال سے میں کہ دل ہے یہ جلوہ گاہ کس کی ؟
یہی سخت انتظار میں ہے وہ آنکھ تکتی ہے راہ کس کی ؟

میں نالہ خیزی سے اس کے سنگین دل کی یکسر سلگ اٹھا ہوں
نہ جانے اس سنگِ پُرشرر پہ پڑی ہے تابِ نگاہ کس کی

کسی پری وش کی چاہ میں آنکھ اس کی پُرآب ہوگئی ہے
مجھے گماں تھا اثر نہ جانے دکھا رہی ہے یہ آہ کس کی؟

تو خود ہے ظالم ستم سراپا گلہ تجھے عشق سے ہے یہ کیا؟
تڑپ یہ دل کی بتا مجھے بھی ہوئی ہے یوں دادخواہ کس کی؟

عجب یہ نیرنگِ عشق بھی ہے کہ تیری رعنائی لے اڑا ہے!
ترے نصیبے میں جانے گردش میں ہے یہ چشمِ سیاہ کس کی؟

شکست و پسپائی پر بھی باقی ہے اس کی وہ آن بان ساری
ہوئی ہے یہ رنگِ رخ پہ تیرے نمودِ طرفِ کلاہ کس کی ؟

تری نصیحت پہ حرف تلخ اک زباں پہ میری گناہ میرا
مجھ عشق کے مارے پر یہ دعویٰ ترا ہے فردِ گناہ کس کی؟

❀❀❀

بر لب یا علیؑ سرائے بادہ روانہ کردہ ایم
مشربِ حق گزیدہ ایم عیش مغانہ کردہ ایم

در رہت از پگہ رواں پیشتریم یک قدم
حکم دوگانہ دادہ ای ساز سہ گانہ کردہ ایم

زعم رقیب یک طرف کوری چشم خویشتن
ناوک غمزۂ ترا دیدہ نشانہ کردہ ایم

بادہ بہ وام خوردہ و زر بہ قمار باختہ
وہ! کہ زہر چہ ناسزاست ہم بہ سزانہ کردہ ایم

نالہ بہ لب شکستہ ایم، داغ بہ دل نہفتہ ایم
دولتیانِ ممسکیم زر بہ خزانہ کردہ ایم

تا بہ چہ مایہ سرکنیم نالہ بہ عذرِ بے غمی
از نفس آنچہ داشتیم صرفِ ترانہ کردہ ایم

خارز جادہ بازچیں سنگ بگوشہ درفگن
در سرہ گرفتنش ترکِ بہانہ کردہ ایم

ناخنِ غصہ تیز شد دل بہ ستیز خو گرفت
تا بہ خود اوفتادہ ایم از تو کرانہ کردہ ایم

غالبؔ ازانکہ خیر و شر جز بہ قضا نبودہ است
کارِ جہاں زِ پُر دلی بے خبرانہ کردہ ایم

یا علیؑ پڑھنے والے لب پر جام پہ جام روانہ کیا
مشربِ حق اپنا یا یعنی عیش و نشاطِ مغانہ کیا

گجر فجر تری راہ میں نکلے ایک قدم آگے ہی رہے
حکم دوگانہ تو نے دیا تو ہم نے ادا سہ گانہ کیا

آخر اپنے اندھے پن سے مارا گیا نارقیب غریب
ناوک غمزہ کا تیرے ہم نے آنکھ کو اپنی نشانہ کیا

قرض کی پی جو شراب تو سارا ہار دیا ہے جوے میں زر
برا کام بھی برے ہی ڈھب سے ہم نے بیدردانہ کیا

نالہ دونوں لبوں میں دبایا داغ کو دل میں چھپا ڈالا
ہم ہیں وہ دولت مندِ بخیل کے زر کو نذرِ خزانہ کیا

بے غم ہو کر نالہ کشی بھی کریں تو کس بل بوتے پر
سانسوں کا جو سرمایہ تھا ہم نے صرفِ ترانہ کیا

پتھر سب ایک کنج میں رکھ دو راہ کے سب کانٹے چن لو
اس کی رہ لینے کا ہم نے ترک ہر ایک بہانہ کیا

ناخنِ غصہ تیز ہوا ہے دل ہے لڑائی پر مائل
اپنے آپ سے الجھ پڑے ہیں، تجھ سے نے ہم کرانہ کیا

خیر ہو یا وہ شر ہو غالبؔ سب کچھ ہے مقسومِ قضا
کارِ جہاں بھی پُر دل ہو کر ہم نے بے خبرانہ کیا

یادِ عدو نیم دریں ہم ز دور بینی ست
کاندر دم گذشتن با دوست ہم نشینی ست

میرم ولے بجز ہم نز فرط بدگمانی
دانند کہ جاں سپردن از عافیت گزینی ست

در بادہ دیر مستم آرے بہ سخت جانی ست
در غمزہ زود رنجی آرے ز نازنینی ست

من سوئے او بہ چشم دانند بے حیائی ست
او سوئے من نہ بیند دانم ز شرمگینی ست

ذوقیست در ادایت، قاصد تو و خدایت
در جیب من نہفتاں خطے کہ آستینی ست

زیں خوں چکاں نواہا، در باب ماجرا ہا
ہنگامہ ام اسیری، اندیشہ ام حزینی ست

شعر

غالب بہ فنِ گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او
ننوشت در دیواں غزل تا مصطفی خاں خوش نہ کرد

یادِ عدو نہیں کی از روئے دور بینی
تا دوست کی نہ کر لے وہ دل میں ہم نشینی

دے دوں میں جان لیکن وہ بدگماں نہ سوچے
یہ میرا جان دینا ہے عافیت گزینی

تا دیر میری مستی ہے میری سخت جانی
یہ تیری زود رنجی ہے غمزۂ نازنینی

صورت کو اس کی تکنا ہے بے حیائی میری
مجھ سے نظر چرانا ہے اس کی شرمگینی

ذوق اس کی ہر ادا میں، قاصد خدا نگہباں
رکھ جیب میں مری رکھا وہ خط آستینی

یہ سرگذشتِ میری، یہ خوں چکاں نوائیں
ہنگامۂ اسیری، اندیشۂ حزینی

شعر

غالب ہے اپنے فن پہ یوں نازاں کہ دیواں میں غزل
لکھی نہ جب تک مصطفیٰ ☆ خاں کو نہ اس نے خوش کیا

☆ مصطفیٰ خاں شیفتہ

از فرنگ آمدہ در شہر فراواں شدہ است
جرعہ را دیں عوض آرید کہ ارزاں شدہ است

چشم بد دور! چہ خوش می تپم امشب کہ بہ روز
نفس سوختہ در سینہ پریشاں شدہ است

لب گزد بے خود و باخود شکر آبی دارد
تا چہ گفت است کہ از گفتہ پشیماں شدہ است

گفتم البتہ زمن شاد بہ مردن گردی
گفت دشوار کہ مردن بہ تو آساں شدہ است

دُردِ روغن بہ چراغ و کدرِ مے بہ ایاغ
تا خود از شب چہ بجا ماند کہ مہماں شدہ است

شاہد و مے زمیاں رفتہ و شادم بہ سخن
گشتہ ام بید دریں باغ کہ ویراں شدہ است

شہر تم گر بہ مثل مائدہ گردد بینی
کہ برآں مائدہ خورشید نمک داں شدہ است

غالبؔ آزردہ سروشیست کہ از مستی قرب
ہم بدآں وحی کہ آوردہ غزل خواں شدہ است

شہر میں افرنگ سے آ کر فراواں ہوگئی ہے
دیں کے بدلے جرعۂ مے لا کہ ارزاں ہوگئی ہے

جس مزے کا یہ تڑپنا آج کی شب ہے کہ ہر سانس
سارا دن جل جل کے سینے میں پریشاں ہوگئی ہے

ہونٹ اپنے کاٹ کر ساماں شکر کا کرلیا ہے
اور یوں کہنے کو ذات اس کی پشیماں ہوگئی ہے

میں جو کہتا ہوں کہ مرنے سے مرے تو خوش تو ہوگا
بولا: مشکل ہے کہ تیری موت آساں ہوگئی ہے!

دُردِ روغن ہے چراغوں میں نہ تلچھٹ جام میں ہے
رات سے اب خود بچا کیا ہے کہ مہماں ہوگئی ہے

مے بچی ہے اور نہ شاہد درمیاں ہے، میں تو اگر
بید اس کیاری کا گویا ہوں جو ویراں ہوگئی ہے

مثل دسترخوان میری شہر میں شہرت اگر ہے
ہستی خورشید بھی اس پر نمک داں ہوگئی ہے

ہستی غالبؔ سروش غیب فیض قرب سے ہے
وحی جو بھی اس پر آئی ہے، غزل خواں ہوگئی ہے

با من کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست؟
در امر خاص حجت دستور عام چیست

مستم ز خون دل کہ دو چشمم ازاں پر است
گوئی مخور شراب و ندانی کہ جام چیست

بادوست ہر کہ بادہ بہ خلوت خورد مدام
داند کہ حور و کوثر و دارالسلام چیست

دل خستۂ غمیم و بود مے دوائے ما
باخستگاں حدیث حلال و حرام چیست

در روز تیرہ از شب تارم نمونہ‌ایم
چوں صبح نیست خود چہ شناسم کہ شام چیست

باخیل موری رسی ازرو خوش است فال
قاصد بگو زاں لب نوشیں پیام چیست

گفتی قفس خوش است تواں بال و پر کشود
بارے علاج خستگی بند دام چیست

نیکی ز تست از تو نخواہیم مزد کار
در خود بدیم کار تو ایں انتقام چیست

غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت
پرسد چرا کہ نرخ مے لالہ فام چیست

عاشق ہوں جانتا نہیں ہے ننگ و نام کیا
در امر خاص حجت دستور عام کیا

آنکھوں میں بھر کے خوں کو ہو مست مست ہوں
مئے پینا کیوں نہیں پڑا اس سے جام کیا

پیتا ہے ساتھ دوست کے خلوت میں جو مدام
وہ جانے حور و کوثر و دارالسلام کیا

مارے ہوئے ہیں غم کے ہماری دوا شراب
ہم غمزدوں سے ذکر حلال و حرام کیا

ہو جس کا دن سیاہ اسے شب کا خوف کیا
جس نے سحر ہی دیکھی نہ ہو اس کو شام کیا

ہے رہ میں خیل مور سو اچھا یہ فال ہے
قاصد بتا ہے میٹھے لبوں کا پیام کیا

بولا: قفس تو خوب ہے لے بال و پر تو کھول
پر ہے علاج خستگی بند دام کیا

ہم نیک ہیں تو تیرے ہیں اب اس کا کیا صلہ
اور بد بھی ہیں تو تیرے ہیں پھر انتقام کیا

غالب نے جب نہ خرقہ و مصحف کیا فروخت
پوچھے ہے کیوں ہے نرخ مئے لالہ فام کیا

چہ عیش از وعدہ چوں باور ز عنوانم نمی آید
بہ نوعے گفت می آیم کہ می دانم نمی آید

دلش خواہد کہ تنہا سوئے من روئے آورد لیکن
فریب ہم رہاں دانم ز نادانم نمی آید

دبیرم شاعرم رندم ندیمم شیوہ ہا دارم
گرفتم رحم بر فریاد و افغانم نمی آید

نہ دارم بادہ غالبؔ گر سحر گاہش سرا رائے
بہ بینی مست دانی کز شبستانم نمی آید

قطعہ

غالبؔ بہ گہر ز دودۂ زادشم
زاں رو بہ صفائے دمِ تیغ است دم
چوں رفت سپہبدی زدم چنگ بہ شعر
شد تیرِ شکستۂ نیاگاں قلم

خوشی وعدے کی کیا ہو' مجھ کو باور ہی نہیں آتا
کیا اس طرح وعدہ کا شکے مجھ کو یقیں آتا

دل اس سے چاہتا ہے آئے تنہا وہ مری جانب
کہ دے کہ ہم رہوں کو جُل مرا ناداں نہیں آتا

دبیر و شاعر و رند و ندیم ہنر کیا کیا ہوں
مجھے فریاد پہ رحم آئے' رونا ہی نہیں آتا

نہیں ہے مئے ہی غالبؔ صبح دم تو مست اسے دیکھے
سمجھ لینا کہ وہ میرے شبستاں سے نہیں آتا

قطعہ

ہوں اصل میں غالبؔ زِ نسلِ زادشم
سو مثل ہِ صفائی ہِ دمِ تیغ ہے دم
چھوٹی جو سپہ گری تو شعر گوئی اپنائی
ٹوٹا ہوا تیرِ نیاگاں بنا میرا قلم

۱؎ زادشم: قدیم ایرانی حکمراں پشنگ کے باپ کا نام
نیاگاں: بزرگ

جز گزینی ناز بے خود شیش می نویس
ہر رخ فتنہ حزنے ز ہر شیش می نویس

اے رقم سنج یمین دوست بیکاری چہ
خود سپاس دست خنجر آزمائیش می نویس

گر ز بیمش ریو و خرید و رنگ و بو گم ست از آں
ہر کجا شیخے ست کافر ماجرائش می نویس

می فزاید حاسدیں را چشم زخمی در پے ست
چشم حاسد کور بادا درد عائش می نویس

ہر کہ بعد از مرگ عاشق بر مزارش گل برد
فتوی از من در بتاں زود آشنائش می نویس

رحمے از معشوق ہر کجا در کتاب بنگری
بر کنار آں ورق جاں بافدائش می نویس

اے کہ با یارم خرامی گر دل و دوستیت ہست
نام من در رہ گذر بر خاک پائش می نویس

ہر کجا غالبؔ تخلص در غزل بینی مرا
می تراش آں را و مغلوبے بجائش می نویس

مژے سے بے خود ہوئے اس کی شرح لکھتے رہو
ہر رخ فتنہ کچھ بھی ہو خدا لکھتے رہو

اے رقم سنج یمین دوست کیوں بیکار ہو
ہاں سپاس دست خنجر آزما لکھتے رہو

ہے جنگ ریو و خرید و رنگ و بوئے گل اگر
شیخ کو ہے خوف کافر ماجرا لکھتے رہو

خط اگر بھیجو تو زخم چشم سے اس کو بچاؤ
حاسدوں کو کور چشمی کی دعا لکھتے رہو

قبر عاشق پہ چڑھائے گل جو بت یاں بعد مرگ
میرا فتویٰ ہے اسے زود آشنا لکھتے رہو

رحم دل معشوق کا قصہ کتب میں گر پڑھو
حاشیے پر اس کے 'میری جاں فدا' لکھتے رہو

اے کہ میرے یار کے ہمراہ بھی پھرتے چلو
نام میرا اس کے زیر خاکِ پا لکھتے رہو

نام آجائے جو غالبؔ کا تخلص میں کہیں
کاٹ کر اس کو کوئی 'مغلوب تھا' لکھتے رہو

با پری شیوہ غزالاں و زم و رم شاں
دل مردم بہ خمِ طرۂ خم در خمِ شاں

کافرانند جہاں جوئے کہ ہرگز نہ بود
طرۂ حور دلآویز تر از پرچمِ شاں

آشکارا کُش و بدنام و نکو نامی جوئے
آوا ازیں طائفہ وانکس کہ بود محرمِ شاں

رشک بر تشنۂ تنہا روِ وادی دارم
نہ بر آسودۂ دامانِ حرم و زمزمِ شاں

مگو راز خستہ دلانے کہ نہ دانی ہشدار!
خستگانند کہ داری و نہ داری غمِ شاں

اے کہ راندی سخن از نکتہ سرایانِ عجم
چہ بہ ما منت بسیار نہی از کمِ شاں

ہندرا خوش نفسانند سخن ور کہ بود
باد در خلوتِ شاں مشک فشاں از دمِ شاں

مومنؔ و نیرؔ و صہبائیؔ و علویؔ واں گاہ
حسرتیؔ اشرفؔ و آزردہؔ بود اعظمِ شاں

غالبؔ سوختہ جاں گرچہ نیرزد بہ شمار
ہست در بزمِ سخن ہم نفس و ہمدمِ شاں

یہ پری شیوہ غزالاں کہ جو ہیں درپئے جاں
ان کا باندھے ہوئے دل ہر خمِ زلفِ پیچاں

یہ وہ کافر ہیں جہاں زیرِ نگیں ہے جن کے
زلفِ حوراں کے پھریرے سے دل آویز کہاں

کھلے قاتل بھی ہیں، بدنام بھی اور چاہتے ہیں
نام نیکی سے لیا جائے، لیا جائے جہاں

رشک آتا ہے مجھے تنہا روِ وادی پر
ہیچ ہیں یہ حرم آسودۂ یہ زمزم نوشاں

چھوڑ ان خستہ دلوں کو جو ترے دام میں ہیں
ان کے دکھ درد سے افسوس! تو واقف ہے کہاں

مدح میں نکتہ سرایانِ عجم کی نہ ہو محو
ان کے کم کم کا نہ رکھ مجھ پہ زیادہ احساں

ہند میں ایسے بھی ہیں خوش نفس اربابِ سخن
جن کے دم سے ہوئی جاتی ہے ہوا مشکِ فشاں

مومنؔ و نیرؔ و صہبائیؔ و علویؔ ہی نہیں
حسرتیؔ اشرفؔ و آزردہؔ، اعظم بھی ہیں یاں

ان کا اس بزم میں یہ ہم نفس و ہمدم ہے
غالبؔ سوختہ جاں کچھ بھی نہیں ورنہ میاں!

ور گریہ از بس نازکی رخ ماند و بر خاکش نگر
واں سینہ سودن از تپش بر خاکِ نمناکش نگر

برقے کہ جانہا سوختے از جفا مُردش بہ بیں
شوخے کہ خوں بار یختے دست از حنا پاکش نگر

آں کو بہ خلوت با خدا ہرگز نہ کردے التجا
نالاں بہ پیش ہر کسے از جور افلاکش نگر

تا نام خود بردے زباں می گفت دریا درمیاں
دریائے خون اکنوں رواں از چشم سفاکش نگر

آں سینہ کز چشم جہاں مانند جاں بودے نہاں
اینک بہ پیراہن عیاں از روزنِ چاکش نگر

خواند بہ امید اثر اشعارِ غالبؔ ہر سحر
از نکتہ چینی درگذر فرہنگ و ادراکش نگر

قطعہ

تا میکشؔ و جوہرؔ دو سخن ور داریم
شانِ دگر و شوکتِ دیگر داریم
درمیکدہ پیریم کہ میکشؔ از ماست
در معرکہ تیغیم کہ جوہرؔ داریم

بہ صد نزاکت اس کی اشک افشانیاں ہیں کس قدر
دیکھو تڑپنا اس کا یہ خاکسترِ نمناک پر

پھونکے جو دل عشاق کے برقِ جفا وہ سرد ہے
خوں ریز تھا جو ہاتھ، مہندی سے پاک اب سر بسر

جس نے کبھی تنہائی میں مانگا خدا سے کچھ نہ تھا
جورِ فلک کا شکوہ ہے ہر اک سے اب المختصر!

سنتے ہی اپنا نام وہ دریا کو لاتا بیچ میں
دریائے خوں اب آنکھ سے اس کی رواں ہے دیکھ ادھر!

وہ سینہ جو چشمِ جہاں سے مثلِ جاں رہتا نہاں
اب چاکِ پیراہن سے عریاں ہو رہا ہے، الحذر!

کیا عقل و دانش کو ہوا، وہ نکتہ چینی کی جگہ
اشعارِ غالبؔ پڑھ رہا ہے اب بہ امید اثر

قطعہ

یہ جو میکشؔ جو جوہرؔ نامی ہم دو سخنور رکھتے ہیں
شان ہماری جداگانہ ہے، شوکت دیگر رکھتے ہیں
مے خانے میں پیرِ میخانہ ہیں کہ میکشؔ ہے اپنا
معرکہ آرائی میں سراپا تیغ ہیں جوہرؔ رکھتے ہیں

قطعہ

تاز دیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن
این مئے از قحط خریداری کہن خواہد شدن

کوکبم در عدم اوجِ قبولی بودہ است
شہرتِ شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن

ہم سوادِ صفحہ مشک سودہ خواہد یختن
ہم دواتم نافِ آہوئے ختن خواہد شدن

مطرب از شعرم بہ ہر بزمے کہ خواہد زد نوا
چاک با ایثار جیب و پیرہن خواہد شدن

ہے! چہ می گویم اگر این ست بزمِ روزگار
دفترِ اشعار بابِ سوختن خواہد شدن

آن کہ صور نالہ از شورِ نفس موزوں دمید
کاش دیدی کایں نشید شوقِ فن خواہد شدن

کاش سنجیدی کہ بہر قتلِ معنی یک قلم
جلوۂ کلک و رقم دار و رسن خواہد شدن

چشمِ کور آئینہ دعویٰ بکف خواہد گرفت
دستِ شل مشاطۂ زلفِ سخن خواہد شدن

قطعہ

خلق دیواں سے مرے مستِ سخن ہونے کو ہے
گاہکوں کے قحط سے یہ مئے کہن ہونے کو ہے

میرے کوکب نے عدم میں پالیا اوجِ قبول
شاعری کی میری شہرت بعد من ہونے کو ہے

میرے صفحے کی سیاہی مشک زا ہوجائے گی
اور دوات اک نافِ آہوئے ختن ہونے کو ہے

گائے گا محفل میں جب بھی کوئی مطرب میرے شعر
پھر وہ محفل چاکِ جیب و پیرہن ہونے کو ہے

یہ زمانے کی روش یوں ہی اگر قائم رہی
نذرِ آتش دفترِ شعر و سخن ہونے کو ہے

صورِ بی مرے نفس سے اب تو موزوں ہوگیا
دیکھنا اب یہ نشیدِ اہلِ فن ہونے کو ہے

کاش سوچے کوئی بہرِ قتلِ معنی یہ قلم
ایک دن جلوہ دہِ دار و رسن ہونے کو ہے

دعویِ بینائی اندھی آنکھ کردے گی یہاں
دستِ شل مشاطۂ زلفِ سخن ہونے کو ہے

شاہدِ مضموں کہ یکسر شوخیِ جانِ وے است
دست آوردۂ کام و دہن خواہد شدن

زاں فروغ اندر ہوائے نغمہ بس وا پر زناں
ہم نوائے پردہ سنجانِ سخن خواہد شدن

شادیش اے دل ازیں محفل کہ ہر جا نغمہ ایست
شیونِ رنجِ فراقِ جان و تن خواہد شدن

ہم فروغِ شمعِ ہستی تیرگی خواہد گزید
ہم بساطِ بزمِ ہستی پر شکن خواہد شدن

از تب و تابِ فنا یک بارہ چوں مشتے سپند
ہر یکے گرمِ وداعِ خویشتن خواہد شدن

حسن را از جلوۂ نازش نفس خواہد گداخت
نغمہ از پردۂ سازش کفن خواہد شدن!

دہرِ بے پروا عیارِ شیوہ ہا خواہد گرفت
داورے خوں در نہادِ ما و من خواہد شدن

پردہ را از روئے کار ہم دگر خواہد فتاد
خلوتِ گبر و مسلماں انجمن خواہد شدن

گردِ پندارِ وجود از رہگزر خواہد نشست
بحرِ توحید عیانے موج زن خواہد شدن

در تہِ ہر حرفِ غالبؔ چیدہ ام میخانہ ای
تا ز دیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن

شاہدِ مضموں کہ جو ہے شوخیِ جانِ وطن آج
وہ گدائے تشنہ کام و دہن ہونے کو ہے

زانِ فروغ ذہن کے سب ہوئے نغمہ میں چھپے ہیں
وہ صدا ہم صوتِ مرغانِ چمن ہونے کو ہے

بزم میں یہ نغمہ بھی ہے اب غنیمت جبکہ
کل یہی رنجِ فراقِ جان و تن ہونے کو ہے

شمعِ ہستی آخرش ہوگی یہ نذرِ تیرگی
بزمِ ہستی کی بساط اب پر شکن ہونے کو ہے

جب فنا کی تاب و تب ہوگی تو پھر مثلِ سپند
ہر کوئی گرمِ وداعِ روح و تن ہونے کو ہے

حسن کے جلوے سے سانسیں بھی پگھل ہی جائیں گی
ساز کا پردہ ہی نغمے کا کفن ہونے کو ہے

دہر بے پروا عیار شیوہ ہوگا ایک دن
اور خدائی خونِ نہادِ ما و من ہونے کو ہے

سارے اٹھ جائیں گے پردے آخر کار ایک دن
بزم میں گبر و مسلماں ہم سخن ہونے کو ہے

بیٹھ ہی جائے گی رہ کی گردِ پندارِ وجود
اور احد کی موج بھی پر شور و فن ہونے کو ہے

یوں تہِ ہر حرفِ غالبؔ میں نے مے خانہ چنا
خلق دیواں سے مرے مستِ سخن ہونے کو ہے

قطعہ

اے کہ در بزمِ شہنشاہِ سخن رس گفتہ ای
کے بہ پرگوئی فلاں در شعر ہم سنگِ من است

راست گفتی لیک می دانی کہ نبود جائے طعن
کم تراز بانگِ دہل گر نغمہ چنگِ من است

نیست نقصاں یک دو جزو است ارسواد ریختہ
کان درِ ثم برگِ نخلستاں فرہنگِ من است

فارسی بیں تابہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگزر از مجموعہ اردو کہ بے رنگِ من است

فارسی بیں تا بدانی کاندر اقلیمِ خیال
مانی وار ژنگم و آں نسخہ ارتنگِ من است

کے درخشد جوہر آئینہ تا باقی ست رنگ
صیقلے آئینہ ام ایں جوہر آں زنگِ من است

ہاں من و یزداں بنائے شکوہ بر مہر و وفا ست
تا نہ پنداری بہ پرخاش تو آہنگِ من است

دوست بودی شکوہ سر کردم و لے جرم تو نیست
کایں ہمہ بیداد بر من از دلِ تنگِ من است

بخت من ناساز و خوئے دوست زاں ناساز تر
تا چہ پیش آید کنوں با بختِ خود جنگِ من است

قطعہ

تو نے جو بزمِ شہنشاہِ سخن رس میں کہا
کیوں ہو پرگوئی میں اک شخص وہ ہم سنگ مرا

سچ ہی کہتا ہے مگر یہ بھی کوئی طعن نہیں
کم تو ہے بانگِ دہل سے یہ دفِ چنگ مرا

ایک دو جزو کا دیواں ہے تو کچھ ہرج نہیں
بے رطب حرف وہ دیکھے جو تو فرہنگ مرا

فارسی دیکھ ! کہ سب نقش ہیں رنگیں اس کے
چھوڑ اردو کہ ہے مجموعہ بے رنگ مرا

فارسی دیکھ ! کہ اقلیمِ تخیل کا میں
مانی ارژنگ ہوں وہ نسخہ ہے ارتنگ مرا

زنگ رہ جائے تو آئینہ کہاں چمکے گا
صیقلِ آئینہ ہے یہ تو وہ ہے زنگ مرا

مجھ کو شکوہ ہے تو وہ اپنے خدا سے یہاں
تجھ سے پرخاش پہ ہرگز نہیں آہنگ مرا

جان کر دوست کیا شکوہ نہیں تیرا قصور
مجھ پہ بیداد یہ ڈھاتا ہے دلِ تنگ مرا

بخت ہے میرا برا دوست کی خو اور بری
دل یہ کرتا ہے مقدر سے سدا جنگ مرا

دشمنی را ہمہ فن شرط است و آں دانی نیست
از تو نبود نغمہ و ر سازے کہ در چنگِ من است

در سخن چوں ہم زباں و ہم نوائے من نہ ای
چوں دلت پیچ و تاب از شکِ آہنگِ من است

راست می گویم من و از راست سر نتواں کشید
ہم چہ در گفتار فخر تست آں ننگِ من است

دیدہ ور سلطاں سراج الدیں بہادر شہ کہ او
آں شرر بیند کہ پنہاں در رگِ سنگِ من است

جم حشم شاہے کہ در ہنگامۂ عرض سپاہ
می تواند گفت دارا را کہ سرہنگِ من است

انوری و عرفی و خاقانی سلطان منم!
پادشہ طہمورث و جمشید و ہوشنگِ من است

شاہ می داند کہ من مداحِ شاہم باک نیست
گر تو اندیشی کہ ایں دستان و نیرنگِ من است

از ادب دورم ز خاقاں ورنہ در اظہارِ قرب
خطوہ و گامِ تو گوئی میل و فرسنگِ من است

مقطع ایں قطعہ زیں مصرع مرصع باد و بس
ہر چہ در گفتار فخر تست آں ننگِ من است

ہم فنی شرطِ حریفی ہے' وہی غائب ہے
نغمہ ور کون ہے چھیڑے جو یہاں چنگ مرا

ہم نوا میرا سخن میں نہ زباں میں تو ہے
دل تڑپتا ہے ترا سن کے یہ آہنگ مرا

راست گو ہوں نہ کروں سچ سے کبھی سرتابی
باعث فخر ترا! ہے سبب ننگ مرا

دیدہ ور کتنا مرا شاہ سراج الدیں ہے
دیکھتا ہے جو شرر بھی بہ رگِ سنگ مرا

جم حشم شاہ ہے وہ اس کا شکوہ اس کی سپاہ
کہ وہ دارا کو بھی کہہ سکتا ہے' سرہنگ مرا'

انوری' عرفی و خاقانی ہے میرا سلطان
شاہ طہمورث و جمشید تو ہوشنگ مرا

جانتا ہے کہ میں مداح ہوں' کیا خوف مجھے
تو سمجھتا ہے یہ ہے جلوۂ نیرنگ مرا

دور ادب سے ہوں ذرا' ورنہ مرا قرب یہ ہے
قدم و گام ترا میل یا فرسنگ مرا

مقطع اس قطعہ کا یہ مصرع لاثانی ہے
باعث فخر ترا ہے سبب ننگ مر

تقریظِ آئینِ اکبری تصحیح کردۂ سید احمد خاں☆

صدر الصّدور مراد آباد

مژدۂ یاراں را کہ ایں دیریں کتاب
یافت از اقبالِ سید فتح یاب

دیدہ بینا آمد و بازو قوی
کہنگی پوشید تشریفِ نوی

ویں کہ در تصحیحِ آئیں رائے اوست
ننگ و عارِ ہمتِ والائے اوست

دل بہ شغلے بست و خود را شاد کرد
خود مبارک بندۂ آزاد کرد

گوہرش را آں کہ نتواند ستود
ہم بدیں کارش ہمی داند ستود

ہر چنیں کارے کہ اصلش ایں بود
آں ستاید کش ریا آئیں بود

☆ سر سید احمد خاں، بانی علی گڑھ یونی ورسٹی

مژدہ یاروں کو کہ یہ دیریں کتاب
فیضِ سید سے ہوئی ہے فتح یاب

آنکھ بینا ہوگئی، بازو قوی
کہنگی نے پہنی پوشاکِ نوی

ہے مگر تصحیح کا یہ کاروبار
ہمتِ والا کو اس کی ننگ و عار

ہوگیا اس مشغلے سے شاد وہ
اور ہوا اس طرح سے آزاد وہ

بے ضرورت ایک سینچا ہے گہر
اپنی دانش میں ہوا ہے مفتخر

کام کی ایسے نہو اب توصیف کیا
یعنی توصیف اس کی ہے کارِ ریا

من کہ آئین دیارا دشمنم
در وفا اندازہ دان خودمنم

گر بدین کارش نگویم آفرین
جائے آن دارد کہ جویم آفرین

باید آئیناں نمانم در سخن
کس نہ داند آنچہ دانم در سخن

کس مخر باشد بہ گیتی این متاع
خواجہ را چہ بود امید انتفاع

گفتہ باشد کایں گرامی دفتر است
تا چہ بیندگاں بہ دیدن درخوار است

گرز آئیں می رود با ما سخن
چشم بکشاد اندریں دیر کہن

صاحبانِ انگلستاں را نگر
شیوہ و انداز اینان را نگر

تا چہ آئیں با پدید آوردہ اند
آنچہ ہرگز کس نہ دید آوردہ اند

زیں ہنر منداں ہنر بیشی گرفت
سعی بر پیشینیاں پیشی گرفت

میں کہ اک دشمن ریا کا ہوں سدا
دین اور آئین ہے میرا وفا

میں اگر کہتا نہیں ہوں آفریں
مستحق آفریں ہوں بالیقیں

کیا بد آئینوں کا ہے میرا سخن؟
ہے مرا سب سے جداگانہ سخن!

کس مخر ہے اس جہاں میں یہ متاع
خواجہ کو کیا اس سے ہوگا انتفاع

کہہ رہے ہیں اک گرامی کار ہے
دیدۂ بینا کو کب درکار ہے

اور اگر ہو مجھ سے ''آئیں'' کا سخن
دیکھ آنکھیں کھول کر دیرِ کہن

اہل انگلستان پر بھی کر نظر
شیوۂ و انداز ہیں ان کے دگر

کیسے کیسے آئیں لے کر آئے ہیں
جو نہ دیکھا آج تک دکھلائے ہیں

ان ہنرمندوں نے چمکایا ہنر
اپنے پرکھوں سے ہیں آگے بیش تر

حق ِ ایں قوم است آئیں داشتن
کس نیارد ملک بہ زیں داشتن

ان کی یہ آئین سازی مرحبا
حق اگر ہے تو ہے بس اس قوم کا
ملک آرائی تو سب نے کی مگر
ان کی ملک آرائی پر بھی کر نظر

داد و دانش را بہم پیوستہ اند
ہند را صد گونہ آئیں بستہ اند
آتشے کز سنگ بیروں آورند
ایں ہنر منداں زخس چوں آورند
تاچہ افسوں خواندہ اند ایناں بر آب
دود کشتی راہمی راند در آب
گہہ دخاں کشتی بہ جیحوں می برد
گہہ دخاں گردوں بہ ہاموں می برد
غلتک ِ گردوں بگر داند دخاں
نرہ گاو و اسپ را ماند دماں
از دخاں زورق بہ رفتار آمدہ
باد و موج ایں ہر دو بیکار آمدہ
نغمہ ہا بے زخمہ از ساز آورند

داد و دانش کو ملایا دیکھ تو!
نت نئے آئیں دیئے ہیں ہند کو
آگ جو ہوتی ہے پیدا سنگ سے
کس طرح وہ خس سے لے کر آگئے
پڑھ کے کیا پھونکا انھوں نے آب پر
ہیں دخانی کشتیاں مستِ سفر
بھاپ سے کشتی کو دریا میں چلائیں
اور یوں ہی پہیوں کو صحرا میں گھمائیں
بھاپ کی قوت سے پہیہ گھوم جائے
طاقت اسپ و گاؤنر کی مات کھائے
بھاپ سے کشتی میں رفتار آگئی
رہ گئے منہ تکتے باد و موج بھی
ساز میں بے زخمہ وہ نغمے جگائیں
طائروں کی طرح حرفوں کو اڑائیں

حرف چوں طائر بہ پرواز آورند
ہیں نمی بینی کہ ایں دانا گروہ
در دو دم آرند حرف از صد گروہ
می زنند آتش بہ باد اندر ہمی
می درخشد باد چوں اخگر ہمی
رو بہ لندن کاندراں رخشندہ باغ
شہر روشن گشتہ در شب بے چراغ
کاروبار مردم ہشیار بیں
در ہر آئیں صد نوائیں کار بیں
پیش ۔ ایں آئیں کہ دارد روزگار
گشتہ آئینِ دگر تقویم پار!
ہست اے فرزانہ بیدار مغز
درکتاب ایں گونہ آئیں ہائے نغز
چوں چنیں گنج ۔ گہر چیند کسے؟
خوشہ زاں خرمن چرا چیند کسے؟
طرزِ تحریرش اگر کوئی خوش است
نے فزوں از ہرچہ می جوئی خوش است
ہر خوشی را خوش ترے ہم بودہ است

اف! یہ مردانِ خرد مند ایسے ہیں
پل دو پل میں حرف میلوں بھیج دیں
آگ یوں دکھلاتے ہیں وہ باد کو
صورتِ اخگر چمک اٹھتی ہے وہ
دیکھ جاکر لندنِ رخشندہ باغ
ہے وہ سارا شہر روشن بے چراغ
ہوش مندوں کے ہیں ایسے کاروبار
ان کے ہرآئین میں آئیں ہزار
آئیں جو رکھتا ہے ان کا روزگار
اس کے آگے دوسرے تقویم پار
یہ بتا فرزانہ بیدار مغز
ایسے ہیں کیا اس میں آئیں ہائے نغز
تو جب ایسے اس میں ہیں گوہر بھرے
خوشہ اس خرمن سے کوئی کیوں چنے
طرز تحریر اللہ اللہ خوب ہے
غور سے جو کچھ بھی دیکھا خوب ہے
پھر بھی ہر خوش کے لیے خوش تر بھی ہے
سر اگر ہے تو وہاں افسر بھی ہے

گر سرے ہست افسری ہم بودہ است

مبدأ فیاض را مشمر بخیل
نور می ریزد رطب بازاں نخیل

مردہ پروردن مبارک کار نیست
خود بگو کاں نیز جز گفتار نیست

غالبؔ آئینِ خموشی دل کش است
گر چہ خوش گفتی نہ گفتن ہم خوش است

در جہاں سید پرستی دینِ تست
از ثنا بگذر دعا آئینِ تست

ایں سراپا فرہ و فرہنگ را
سید احمد خانِ عارف جنگ را

ہرچہ خواہد از خدا موجود باد
پیشکارش طالع مسعود باد

قطعہ

خوشا کہ گنبدِ چرخِ کہن فرو ریزد
اگرچہ خود ہمہ بر فرقِ من فرو ریزد
بریدہ ام رہ دوری کہ گر بیفشانم
بہ جائے گرد، رواں از بدن فرو ریزد

مبدأ فیاض کو مت کہہ بخیل
نور برساتا ہے یہ روشن نخیل

نامبارک شغلِ مردہ پروری
کچھ نہیں، یہ ہے فقط گفتار ہی!

غالبؔ آئینِ خموشی سیکھ لے
اس سے بہتر ہے کہ تو چپ ہی رہے

ہے فقط سید پرستی دیں ترا
چھوڑ تعریف اور اٹھا دستِ دعا

اس سراپا فرہ و فرہنگ کو
سید احمد خانِ عارف جنگ کو

جو وہ مانگے دے خدا اس کو ہزار
طالع مسعود اس کا پیش کار

قطعہ

اے خوشا! وہ دن کہ جب یہ گنبدِ گردوں گرے
اور وہ بھی یک بہ یک آ کر گرے سر پر مرے
کیسی لمبی رہ سے آیا ہوں، ذرا جھٹکوں اگر
گرد کے بدلے مری جاں ہی بدن سے گر پڑے

مثنویِ ابرِ گہر بار

(منتخب اشعار)

سپاسے کزو نامہ نامی شود
سخن در گزارش گرامی شود

☆

اگر دیو ساریست بے ہوش و ہنگ
کہ ہموارہ پیکر تراشد ز سنگ

بہ بت سجدہ زاں رو روا داشتہ
کہ بت را خداوند پنداشتہ

وگر خیرہ چشم ایست نیر پرست
بہ دُردِ مے از جام اندیشہ مست

بہ مہرش ازاں راہ جبیدہ مہر
کزیں روزنش دوست بنمودہ چہر

ز رسمے کہ خود را بر آں بستہ اند
بہ یزداں پرستی میاں بستہ اند

اسی شکر سے نامہ نامی ہے
سخن جس سے نامی گرامی ہے

☆

اگر کوئی بت گر بہ صد سر خوشی
تراشے جو پتھر سے پیکر کوئی

تو سمجھے وہ بت کو ہے سجدہ روا
کہ بت کو وہ گردانتا ہے خدا

یونہی خیرہ چشم ایک سورج پرست
جو ہے جام اندیشہ سے اپنے مست

سوئے مہر ہو کر چلے سوئے دوست
کہ آجائے شاید نظر روئے دوست

جو غرق ایسی رسموں میں ہیں سر بہ سر
ہیں یزداں پرستی پہ باندھے کمر

دد ب سراسیمه در دشت و کوی
خداوند جوئی و خداوند گوئی

☆

جہاں چیست؟ آئینۂ آگہی
فضائے نظرگاہِ وجہہ الٰہی

ز ہر ذرہ کارے بہ تنہائی اش
نشاں بازیابی ز یکتائی اش

بہ دوش ترازو منہ بارِ من!
نہ سنجیدہ گیوار کردارِ من

بہ کردار سنجی میفزائے رنج
گراں باری دردِ عمرم بسنج

چہ پرسی؟ چوں آں رنج و درد از تو بود
غمے تازہ در ہجر نورد از تو بود!

☆

ہمانا تو دانی کہ کافر نیم
پرستارِ خورشید و آزر نیم

نہ کشتم کسے را بہ اہرمنی
نہ بردم ز کس مایہ در رہ زنی

سراسیمہ ہیں سب بہ ہر دشت و کو
خداوند جوئی و خداوند گو!

☆

جہاں کیا ہے؟ آئینۂ آگہی
فضائے نظرگاہِ وجہہ الٰہی

بہ ہر ذرہ کام اس کی تنہائی کا
نشاں پاؤگے اس کی یکتائی کا

ترازو میں اعمال مت رکھ مرے
مجھے بن حساب اے خدا بخش دے

نہ دے رنج مجھ کو تو لے کر حساب
بھلا مت مری زندگی کا حساب

جو تجھ ہی سے ہیں درد و غم تو بھلا
بتا پھر حساب و کتاب اس کا کیا

☆

عیاں ہے یہ تجھ پہ میں کافر نہیں
پرستار خورشید و آزر نہیں

نہ مارا کسی کو بہ اہرمنی
نہ لوٹا کسی کو بپے رہ زنی

☆

مگر مے کہ آتش بہ گوہر از وست
بہ ہنگامہ پروانے سوزہ از وست

من اندوہ گیں و مے اندوہ ربائے
چہ گی کردم اے بندہ پرور خدائے

حساب مے و رامش و رنگ و بوئے
ز جمشید و بہرام و پرویز جوئے

نہ از من کہ از تاب مے گاہ گاہ
بہ دریوزہ رخ کردہ باشم سیاہ

نہ رقص پری چہرگاں بر بساط
نہ غوغائے رامش گراں در رباط

شباں گہ بہ مے رہ نمونہ شدی
سحرگہ تعب گار خونم شدی

تمنائے معشوقۂ بادہ نوش
تقاضائے بیہودۂ مے فروش

بسا روز باراں و شب ہائے ماہ
کہ بودست بے مے بہ چشم سیاہ

☆

مگر یہ کہ مے سے ہوں آتش بہ گور
اسی سے مری چال رفتار مور

میں اندوہ گیں اور مے اندوہ ربا
میں کیا کرتا اے بندہ پرور خدا

حساب گل و رامش و جام مے
ہو لینا تجھے تو جم و کے سے لے!

نہ مجھ سے کہ مے پی کے میں گاہ گاہ
کیا کرتا تھا اپنا چہرہ سیاہ

میسر نہ رقص پری چہرگاں
مہیا نہ غوغائے رامش گراں

بنی میری راتوں میں مے رہ نما
سحر گہ طلب کرتی تھی خوں مرا

تمنائے معشوقۂ بادہ نوش
تقاضائے بیہودۂ مے فروش

کئی روز باراں و شب ہائے ماہ
تھے بن بادہ و جام یکسر سیاہ

☆

جہاں از گل ولالہ پر بوئی ورنگ
من و حجرہ و دامنے زیرِ سنگ

دمِ عیش جز رقص بسمل نہ بود
بہ اندازۂ خواہش دل نہ بود

اگر تا فتم رشتہ ، گوہر شکست
وگر یافتم بادہ ساغر شکست

بہ ناسازگاریِ ہمسایگاں
بہ سرمایہ دعویٰ زِ بے مایگاں

سر از منت ناکساں زیرِ خاک!
لب از خاک بوسِ خساں چاک چاک

چوں آں نامرادی بہ یاد آیدم
بہ فردوس ہم دل نیاسایدم

صبوحی خورم گر شراب طہور
کجا زہرۂ صبح و جامِ بلور

دم شب روی ہائے مستانہ کو؟
بہ ہنگامہ غوغائے مستانہ کو؟

دراں پاک مے خانہ بے خروش
چہ گنجائی شورشِ نائے و نوش

☆

جہاں پر گل ولالہ و بوئے و رنگ
میں اور حجرہ اور دامنِ زیرِ سنگ

دم عشق جز رقص بسمل نہ تھا
بہ اندازۂ خواہشِ دل نے تھا

اگر ڈور بائی تو ٹوٹا گہر
گرا ساغر مئے ، ملی مئے اگر

تھے ہمسائے برگشتہ اور منہ پھلائے
تھا ناداروں کے پیچھے کا سہ اٹھائے

اٹھاتا رہا منت ناکساں
پھٹے لب ! زہے خاک بوسِ خساں!

جو واں نامرادی یہ یاد آئے گی!
تو اک آنکھ جنت نہ پھر بھائے گی

صبوحی میں حاضر شرابِ طہور
کہاں زہرۂ صبح و جامِ بلور

نہ راتوں کی سرمستیاں ہی کہیں
نہ رندوں کی خرمستیاں ہی کہیں

وہ جنت کا مئے خانۂ بے خروش
نہیں جس میں گنجائش نائے و نوش

سیہ مستی ابر و باراں کجا؟
خزاں چوں نہ باشد بہاراں کجا؟

اگر حور در دل خیالش کہ چہ؟
غم ہجر و ذوق وصالش کہ چہ؟

☆

چہ منت نہد ناشناسا نگار
چہ لذت دہد وصل بے انتظار

گریزد دم بوسہ اینش کجا؟
فریبد بہ سوگند دینش کجا؟

برد حکم و نبود لبش تلخ گوے
دہد کام و نبود دلش کام جوے

نظر بازی و ذوق دیدار کو؟
بہ فردوس روزن بہ دیوار کو؟

بہ فرمائے ایں داوری چوں بود
کہ از جرم من حسرت افزوں بود

سیہ مستی ابر باراں کہاں
خزاں ہی نہیں تو بہاراں کہاں

ملے حور تو کیوں پھر اس کا خیال
غم ہجر کوئی نہ ذوق وصال

☆

مزہ دے گا کیا اجنبی اک نگار
کہ ہے بے مزہ وصل بے انتظار

کہ بوسے پہ ظالم گریزاں نہ ہو
قسم جھوٹی کھانے کا امکاں نہ ہو

بجا لائے ہر حکم میرا سدا
نہیں تلخ گوئی سے لب آشنا

کرے گی وہ پوری میری آرزو
مگر اس کا دل سو تہی آرزو

نظر بازیوں کا بھی ساماں نہیں
نہ وہ ذوق دیدارِ روئے حسیں

بڑی پختہ دیوار فردوس کی
نہ ہوگا کہیں جس میں روزن کوئی

بتا کیا ہے آخر تری داوری
کہ ہے جرم سے بڑھ کے حسرت مری

رباعیات

(۱)

اوراق زمانہ در نوشتیم و گذشت
در فن سخن یگانہ گشتیم و گذشت
مے بود دوائے ما بہ پیری غالبؔ
زاں نیز بہ ناکام گذشتیم و گذشت

(۱)

اوراق کے لکھنے میں جوانی گزری
تدوین سخن میں عمر فانی گزری
پیری میں دوا ہماری مئے تھی غالبؔ
سو اس میں بھی ناکام زندگانی گزری

(۲)

آن مرد کہ زن گرفت دانا نہ بود
از غصہ فراغتش ہمانا نہ بود
دارد بہ جہاں خانہ و زن نیست درو
نازم بہ خدا چرا توانا نہ بود

(۲)

شادی جو کرے دانا وہ کیونکر کہلائے
کیونکر غم و غصہ سے فراغت وہ پائے
عالم یہ خدا کا گھر ہے زن جس میں نہیں
پھر کیوں نہ خدا اتنا توانا ہو جائے

(۳)

زاں جا کہ دلم بہ وہم بند نہ بود
با ہیچ علاقہ سخت پیوند نہ بود
مقصود من از کعبہ و آہنگ سفر
جز ترک دیار و زن و فرزند نہ بود

(۳)

یوں ہے کہ یہ دل وہم میں بند نہ تھا
خطے سے کسی بھی کوئی پیوند نہ تھا
یعنی سفرِ کعبہ سے مقصود مرا
جز ترکِ دیار و زن و فرزند نہ تھا

قطعہ

ہزار معنی سرجوش خاص نطق من است
کز ان ذوق دل و گوئے از عسل بردست

ز رفتگاں بہ یکے گر توارد رو داد
مدان کہ خوبی آرائش غزل بردست

مراست ننگ و لے فخر اوست کاں بہ سخن
بہ سعی فکر رسا چو جہاں محک بردست

مبر گمان توارد یقیں شناس کہ دزد
متاع من ز نہاں خانۂ ازل بردست

ساقی چو من پشنگی و افراسیاب نیم
دانی کہ اصل گوہرم از دودۂ جم است

میراث من کہ مے بود اینک بہ من سپار
زیں پس رسد بہشت کہ میراث آدم است

قطعہ

(اس تذکرے کلام سے توارد کے باب میں)

رکھتا ہے کتنے معنی سرجوش میرا نطق
لذت ہے اس میں ایسی کہ پانی بھرے عسل☆

اگلوں سے میرا کوئی توارد اگر ہوا
کب کم ہوئی ہے خوبی آرائش غزل

ہے ننگ مجھ کو اس کے لیے وجہ فخر ہے
فکر رسا کو میری جو پہونچا ہے بر محک

اتنا یقین کر کہ کوئی چور لے اڑا
میری متاع کو ز نہاں خانۂ ازل

☆عسل: شہد

پشنگی ہوں میں ساقی اور ہوں افراسیابی بھی
خبر ہے تجھ کو میری اصل گوہر دودۂ جم ہے
مری میراث میں آئی ہے مے لا اب مجھے دیدے
ملے گی کل کو جنت بھی کہ وہ میراثِ آدم ہے

قطعات

درمشرب ما خواہش فردوس مجوئی
در مجمع ما طالع مسعود نہ یابی!
در بادۂ اندیشہ ما درد نہ بینی
در آتش ہنگامۂ مادود نہ یابی!

مشرب میں ہمارے نہیں جنت کی تمنا
طالع بھی نہیں طالعِ مسعود ہمارا
تلچھٹ ہی نہیں بادۂ اندیشہ میں اپنے
اور شعلۂ ہنگامہ ہے بے دود ہمارا

ہند درفصل خماں نیز بہارے دارد
گونہ گوں سبز حلی بندِ خیاباں آمد
دی و بہمن کہ بہ اقلیم دگر تیغ بندد
اندریں ملک گل و سبزہ فراواں آمد
تا برد داغِ غم ہجر شقائق ز دلش
گل صد برگ بہ دل جوئیِ دہقاں آمد
نیشکر بسکہ صف آراست بہ نسیم
گفت جانیست دگر سرزدہ نتواں آمد

فصل خزاں بہار بہ داماں ہے ہند میں
سبزہ چمن میں ہولی کا منظر لیے ہوئے
بہمن میں اور دے میں گرے برف ہر جگہ
اس ملک میں ہے سبزہ گل تر لیے ہوئے
سوسن کے غم کا داغ مٹانے کو گل کھلے
سامانِ دل دہی کدیور لیے ہوئے
صف بستہ نیشکر ہے تو دہقاں نسیم سے
کہتا ہے اب نہ آنا گراں سر لیے ہوئے

ہوا عنبر فشانست و ابر گوہر بار
جلوس گل بہ سریرِ چمن مبارک باد!
رباب نغمہ نوازست و نے ترانہ فروش
خروش زمزمہ در انجمن مبارک باد

ہوا عنبر فشاں ہے اور بادل گوہر افشاں ہے
جلوس گل سریر آرائے ہر گلشن مبارک ہو
نوا پیرا ہے ہے چنگ اور نے کی بھی نغمہ نوازی ہے
خروش زمزمہ سے بزم ہے روشن مبارک ہو

به بزم نغمهٔ چنگ و رباب ارزانی
به باغ جلوهٔ سرو و سمن مبارک باد!

فضای آگره جولانگه مسیح دمی است
زمن به هم نفسان وطن مبارک باد!

چه حرف هم نفسان فرخی ز بخت من است
ز بخت فرخ من هم به من مبارک باد

ہوا ہے انجمن میں نغمۂ چنگ و رباب ارزاں
چمن میں جلوۂ سرو و گل و سوسن مبارک ہو!

فضائے آگرہ جولانگہ انفاسِ عیسیٰ ہے
وطن والو حیاتِ نو کا یہ مسکن مبارک ہو

رفیقوں سے کہوں کیا فرخی ہے میری قسمت سے
کہوں گا فرخی بخت ہے احسن مبارک ہو

تابم ز دل برد کافر ادائے
بالا بلندے ، کوتہ قبائے

زردشت کیشے ، آتش پرستے
برہم گزارے ، زمزم سرائے

چوں مرگ ناگہ بسیار تلخے
چوں جانِ شیریں اندک وفائے

درکام بخشی ممسک امیرے
در دل ستانی مبرم گدائے

گستاخ سازے پوزش پسندے
طاقت گدازے ، صبر آزمائے

دل سے قرار و صبر آخر لے اڑا کافر ادا
قامت میں اونچا سرو سا لیکن بڑا کوتہ قبا

آتش پرستی کیش ہے زرتشت کا پیرو ہے وہ
برہم گزاری میں مگن ، مست نوا ، نغمہ سرا

تلخی میں ، قصہ مختصر ، ہے مثلِ مرگِ ناگہاں
اور جانِ شیریں کی طرح رکھتا ہے وہ کم کم وفا

مقصد براری کیا کرے کنجوس دولت مند وہ
ہے دل ستانی میں مگر سر تا قدم ضدی گدا

شوخی شرارت وہ کرے ، حیلے تراشے نت نئے
خواہش کی ہے طاقت ربا طاقت ربا صبر آزما

زنداں نامۂ غالب

قمار بازی کے الزام میں ۳۰ رمئی ۱۸۴۷ء کو غالب کی گرفتاری عمل میں آئی ایک مہینے تک مقدمہ چلتا رہا اور ۲ رجولائی ۱۸۴۷ء کو فیصلہ ہوا جس میں انھیں ۶ ماہ کی قید با مشقت اور ۲۰۰ روپے جرمانہ کی سزا دی گئی۔ عدم ادائی جرمانہ پر مزید چھ ماہ۔ البتہ پچاس روپے کی ادائی پر مشقت معاف کی گئی۔ لیکن بہرحال ۳ ماہ بعد ان کی رہائی عمل میں آئی۔ دوران قید غالب نے ایک ترکیب بند فارسی میں لکھا جو ان کے اس ذہنی کرب کا آئینہ دار ہے جس سے وہ اس عرصے میں گذرے۔ اس میں اپنی کسمپرسی، اپنوں کی طوطا چشمی کا ذکر کیا ہے۔ سوائے مصطفیٰ خاں شیفتہ کے کسی نے غالب کی خبر گیری نہیں کی۔ اسی نظم کا منظوم اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔ (مترجم)

خواہم از بند بہ زنداں سخن آغاز کنم
غم دل پردہ دری کرد فغاں ساز کنم
بہ نوائے کہ ز مضراب چکاند خوں ناب
خویشتن را بہ سخن زمزمہ پرداز کنم
در خرابی بہ جہاں میکدہ بنیاد نہم
در اسیری بہ سخن دعوی اعجاز کنم
بے مشقت نہ بود قید، بہ شعر آویزم
روز کے چند رسن تابی آواز کنم
چوں سرایم سخن انصاف ز مجرم خواہم

کیوں نہ زنداں کے سخن سے سخن آغاز کروں
پردہ در ہے غم دل، کیوں نہ فغاں ساز کروں
وہ نوا جس سے کہ مضراب سے بھی خوں ٹپکے
خود کو اس طرز سے اب زمزمہ پرداز کروں
ہو خرابی تو رکھوں نیو میں مے خانے کی
ذکر ہو قید کا تو دعوی اعجاز کروں
بے مشقت نہیں یہ شعر شعاری میری
چند روز اور رسن تابی آواز کروں
لب جو کھولوں تو میں مجرم ہی سے مانگوں انصاف

خانه ام ز آتش بیداد عدو سوخت دریغ
سوختن داشت ز شمع کہ شبستاں سوزد
منم آں خستہ کہ گر زخم جگر بنمایم
بر من از مہر دلِ گبر و مسلماں سوزد
منم آں قیس کہ گر سوئے من آید لیلیٰ
محمل از شعلۂ آوازِ حدی خواں سوزد
تا چسانم گذرد روز بہ شب ہا دریاب
از چراغے کہ عسس بردرِ زنداں سوزد
تنم از بند ، در اندوہِ رقیباں لرزد
دلم از درد بر اندوہِ اسیراں سوزد
از نمِ دیدۂ من فتنۂ طوفاں خیزد
از تفِ نالۂ من جو ہر کیواں سوزد
آہ ازیں خانہ کہ روشن بہ شود در شبِ تار
جز بداں خواب کہ در چشمِ نگہباں سوزد
آہ ازیں خانہ کہ درو ے نہ تواں یافت ہوا
جز سمومے کہ خس و خارِ بیاباں سوزد
اے کہ در زاویۂ شب بہ چراغم شمری
دلم از سینہ بروں آر کہ داغم شمری

(۳)

پاسباناں ! بہم آئید کہ من می آیم

٭داروغہ

جل گیا آتش بیداد عدو سے مرا گھر
آہ ! جس شمع سے ہوتا تھا شبستاں سوزاں
میں ہوں وہ خستہ کہ دکھلاؤں اگر زخم جگر
دیکھ کر ہو دل ہر گبر و مسلماں سوزاں
میں ہوں وہ قیس کہ لیلیٰ جو چلے میری طرف
کرے محمل کو بھی آواز حدی خواں سوزاں
ان چراغوں سے کبھی پوچھ دنوں کا مرے حال
جن کو کرتا ہے عسس٭ بر درِ زنداں سوزاں
تن یہ اندوہِ رقیباں میں لرزتا ہے مرا
اور دل ، دیکھ کے اندوہِ اسیراں ، سوزاں
نمِ دیدہ سے مرے فتنۂ طوفاں اٹھے
تفِ نالہ سے مرے جو ہر کیواں سوزاں
گھر یہ روشن شب تاریک میں اس خواب سے ہے
خواب وہ جس سے کہ ہے چشم نگہباں سوزاں
جز سموم آہ! ہوا کا نہیں اس گھر میں گذر
جس سے ہوتے ہیں خس و خار بیاباں سوزاں
اے کہ کرتا ہے مرے گھر کے چراغوں کا شمار
چیر کر سینے سے دل کر مرے داغوں کا شمار

(۳)

پاسبانو! اٹھو آجاؤ کہ میں آتا ہوں

در زنداں بکشائید کہ من می آیم
ہر کہ دیدے بہ در خویش سپاسم گفتے
خیر مقدم بسرائید کہ من می آیم!
جادہ نشناسم و ز انبوہ شمامی ترسم
راہم از دور نمائید کہ من می آیم
رہرو جادۂ تسلیم درشتی نہ کند
سخت گیرندہ چرائید کہ من می آیم
خست تن در رہ تعذیب ضرور است اینجا
نمک آرید و بسائید کہ من می آیم
عارض خاک بہ پاشیدن خوں تازہ کنید
رونق خانہ فزائید کہ من می آیم
چوں من آیم بہ شما شکوۂ گردوں نہ رواست
زیں سپس ژاژ مخائید کہ من می آیم
ہاں عزیزاں کہ دریں کلبہ اقامت دارید
بخت خود را بستائید کہ من می آیم
تا بہ دروازۂ زنداں پئے آوردنِ من
قدمے رنجہ نمائید کہ من می آیم
چوں سخن سنجی و فرزانگی آئین من است
بہرہ از من بربائید کہ من می آیم
بہ خود از شوق ببالید کہ خود باز روید
بہ من از مہر گرائید کہ من می آیم

در جو زنداں کا ہے کھلواؤ کہ میں آتا ہوں
دیکھ کر در پہ مجھے مرحبا کہتے ہیں سبھی
خیر مقدم کے لئے آؤ کہ میں آتا ہوں
واقف رہ نہیں، ڈرتا بھی ہوں انبوہ سے میں
دور سے راہ تو دکھلاؤ کہ میں آتا ہوں
رہرو جادۂ تسلیم درشتی نہ دکھائے
سخت گیر ایسے نہ بن جاؤ کہ میں آتا ہوں
رہِ تعذیب میں ہے خستہ تنی بھی لازم
ہاں نمک لاکے چھڑک جاؤ کہ میں آتا ہوں
عارض خاک کرو خون چھڑک کر تازہ
رونق اس گھر کی بڑھا جاؤ کہ میں آتا ہوں
آ گیا میں تو گلہ تم کو فلک سے کیوں ہے
ژاژ خائی میں نہ رہ جاؤ کہ میں آتا ہوں
اے عزیزو! کہ ہو اس کلبۂ احزاں میں مقیم
اپنی تقدیر کو چمکاؤ کہ میں آتا ہوں
آؤ دروازۂ زنداں پہ مجھے لینے کو
ہاں! قدم رنجہ تو فرماؤ کہ میں آتا ہوں
ہے سخن سنجی و فرزانگی آئیں میرا
بہرہ ور مجھ سے بھی ہو، آؤ کہ میں آتا ہوں
خوش ہو اب خوش کہ کسی روز چلے جاؤ گے تم
مجھ سے کچھ پیار تو دکھلاؤ کہ میں آتا ہوں

بسکہ خویشاں شدہ بیگانہ زبدنامیِ من
غیر نشگفت خورد گر غم ناکامیِ من

(۴)

آنچہ فردا است ہم امروز در آمد گوئی
آفتاب از جہت قبلہ برآمد گوئی
دل و دستے کہ مرا بود فروماند ز کار
شب و روزے کہ مرا بود بسر آمد گوئی
سرگذشتم ہمہ رنج و الم آرد گفتی
سرنوشتم ہمہ خوف و خطر آمد گوئی
بہرۂ اہلِ جہاں چوں زجہاں درد و غم است
بہرۂ من ز جہاں بیشتر آمد گوئی
خستن و بستن من حد عسس نیست برو
برمن ایں ہا ز قضا و قدر آمد گوئی
ہنرم را نتواں کرد بہ خستن ضائع
خستگی غازۂ روئے ہنر آمد گوئی
غم دل داشتم اینک غم جانم دادند
زخم را زخم دگر بر اثر آمد گوئی
چرخ یک مردِ گراں مایہ بزنداں خواہد
یوسف از قید زلیخا بدر آمد گوئی
مژہ امشب زِ کجا ایں ہمہ خونتاب آورد
ایں چنیں گرم ز زخم جگر آمد گوئی

اپنے ، بیگانے ہوئے ہیں مری بدنامی سے
غیر بھی خوش نہ ہوں شاید مری ناکامی سے

(۴)

لو کہ امروز میں فردا بھی در آیا گویا
جہت قبلہ سے سورج ابھر آیا گویا
دست و دل جو تھے مرے آ و گئے کام سے وہ
میرے دن رات کا پیمانہ بھر آیا گویا
سرگذشت آہ! مری کیا ہے بجز رنج و الم
عالم خوف و خطر بے خطر آیا گویا!
جز غم و درد بھلا دہر میں رکھا کیا ہے
مرے حصے میں مگر بیشتر آیا گویا
یہ مری خستگی و قید نہیں حد عسس
تھا جو تقدیر کا لکھا ابھر آیا گویا!
ضائع کرنا تو نہیں اپنا ہنر اس کے لئے
بن کے یہ غازۂ روئے ہنر آیا گویا
لو غم دل کے علاوہ غم جاں بھی بخشا
زخم پہ ایک نیا زخم ابھر آیا گویا
چرخ اک مردِ گراں مایہ کو زنداں میں رکھے
یوسف اب قید زلیخا سے گھر آیا گویا
خوں فشاں اتنی مژہ کیوں یہ ہوئی جاتی ہے
اس میں اب زخم جگر کا اثر آیا گویا

خود چرا خوں خورم از غم کہ بہ غم خواریِ من
رحمتِ حق بہ لباسِ بشر آمد گوئی
خواجۂ ہست دریں شہر کہ از پرسشِ وے
پایۂ خویشتنم در نظر آمد گوئی
مصطفیٰ خاں کہ دریں واقعہ غم خوارِ من است
گر بہ میرم چہ غم از مرگ، عزادارِ من است

(۵)

خواجہ دانم کہ بے روز نمانم در بند
نیک دانی کہ شب از روز ندانم در بند
نہ پسندم کہ کس آید نتوانم کہ روم
جانبِ در بہ چہ حسرت نگرانم در بند
خستہ ام خستہ من و دعویٰ تمکیں حاشا
بند سخت است تپیدن نہ توانم در بند
شادم از بند کہ از بندِ معاش آزادم
از کفِ شحنہ رسد جامہ و نانم در بند
آمد و خامہ بیارید و بحل بنویسید
خواب از بخت ہمی وام ستانم در بند
یارب ایں گوہرِ معنی کہ فشانم ز کجاست
بند بر دل بود و نیست زبانم در بند
ہر کس از بندِ گراں نالد و ناکس کہ منم

☆ خریدار

میں ہی غم کھاؤں کہاں تک؟ مری غم خواری کو
کرمِ حق بہ لباسِ بشر آیا گویا
خواجۂ شہر کہ آیا ہے مری پرسش کو
مرتبہ میرا جہاں کو نظر آیا گویا
مصطفیٰ خاں کہ مرے غم میں ہے غم خوار مرا
مر بھی جاؤں تو نہیں غم، ہے عزادار مرا

(۵)

جانتا ہوں کہ بہت دن نہ رہوں گا میں یہاں
رات دن ایک ہیں میرے، ہے مگر تجھ سے نہاں
کوئی کیوں آئے یہاں؟ کیسے رہائی پاؤں
پھر بھی حسرت سے سوئے در ہیں یہ آنکھیں نگراں
خستہ تن میں ہوں، کہاں دعویٰ تمکیں مجھ کو
بند ایسا کہ تڑپنا بھی نہیں ہے آساں
خوش ہوں یوں بھی کہ نہیں مجھ کو یہاں فکرِ معاش
کفِ شحنہ سے میسر ہے مجھے جامہ و ناں
آمد و خامہ اٹھالاؤ لکھو حال مرا
بخت سے خواب کا تو میں بھی ہوا وام☆ ستاں
اے خدا! گوہرِ معنی یہ کہاں سے نکلا
دل پہ تو بند لگا ہے پہ کھلی کیسے زباں
ہر کوئی قید میں روتا ہے، وہ ناکس میں ہوں

نالم از خویش بر خویش گرانم در بند
خوئے خوش بہر مصیبت زدہ رنجے دگر است
رنجہ از دیدنِ رنج دگرانم در بند
رفتہ در بارۂ من حکم کہ در درد و دریغ
شش مہ از عمر گرامی گزرانم در بند
اگر این ست خود آن ست کہ عید اضحیٰ
گزرد نیز چو عید رمضانم در بند
مدت قید اگر در نظرم نیست چرا
خونِ دل از مژہ بے حرفہ چکانم در بند
نیستم طفل کہ در بند رہائی باشم
ہم زِ ذوق ست کہ در سلسلہ خائی باشم

(۶)

من نہ آنم کہ ازیں سلسلہ ننگم نہ بود
چہ کنم چوں بہ قضا زہرۂ جنگم نہ بود
زیں دورنگ آمدہ دورنگ خرابی بہ ظہور
گلۂ نیست کہ از بختِ دو رنگم نہ بود
راز دانا! غم رسوائی جاوید بلا ست
بہر آزارِ غم از قید فرنگم نہ بود !
لرزم از خوف دریں حجرہ کہ خشت وگل است
ورنہ در دل خطر از کامِ نہنگم نہ بود

خود پہ روتا ہوں کہ میں خود پہ ہوں اک بند گراں
ہے مصیبت زدہ کو باعث رنج اس کا مزاج
رنج ہوتا ہے اُسے دیکھ کے رنج دگراں
حکم یہ مجھ کو ملا ہے کہ بہ ایں درد و دریغ
چھ مہینے کے لئے ہے یہ مری قید گراں
ہے یہی حکم تو ظاہر ہے کہ عید اضحیٰ
یہیں گذرے گی گئی جیسے کہ عید رمضاں
مدت قید اگر میری نظر میں ہے تو پھر
خونِ دل کیوں یہ مژہ پر ہے مری جلوہ کناں
کوئی لڑکا تو نہیں ہوں کہ کروں فکر رہائی
ہے مرے ذوق کے لائق یہ میری سلسلہ خائی

(۶)

میں نہیں وہ کہ نہ اس قید سے آئے مجھے ننگ
پر کروں کیا کہ قضا سے تو نہیں طاقت جنگ
رنگ دو باعث صد رنگ خرابی نکلے
کتنے شکوے ہیں مجھے ہائے مرا بخت دورنگ
راز داں ! ہے غم رسوائی جاوید بلا
بہر آزارِ غم وہم تو نہ تھی قید فرنگ
خوف سے لرزہ براندام ہوں اس حجرے میں
ورنہ اس دل میں نہیں تھا خطر کام نہنگ

زیں دو سرہنگ کہ بویند ہمی می ترسم
ہیمے از شیر اور ہراسے ز پلنگم نہ بود
منم آئینہ واین حادثہ زنگ است ولے
تابِ بدنامی آلائش زنگم نہ بود
ہمدماں ، داردم امید رہائی در بند
دامن از بعد رہائی تہ سنگم نہ بود
جو رِ اعدا رود از دل بہ رہائی ، لیکن
طعن احباب کم از زخم خدنگم نہ بود
بہ شگاف قلم از سینہ بروں میریزند
بسکہ گنجائی غم در دلِ تنگم نہ بود
حاشا للہ کہ دریں سلسلہ باشم خوشنود
چہ کنم چوں بسر ایں رشتہ بہ چنگم نہ بود
بہ صریرِ قلم خویش بود مستی من
اندریں بند گراں ہیں وسبک دستی من

(۷)

ہمدماں در دلم از دیدہ نہانید ہمہ
غالبؔ غم زدہ را روح و روانید ہمہ
للہ الحمد کہ در عیش و نشاطید ہمہ
للہ الشکر کہ باشوکت وشانید ہمہ
ہم درآئین نظر سحر طرازید ہمہ

یہ جو دربان ہیں دو ان سے لرزجاتا ہوں
شیر سے تھا مجھے کچھ ڈر نہ کبھی خوفِ پلنگ
میں ہوں آئینہ تو یہ حادثہ زنگ اس کا ہے
جھیلنی ہے مجھے بدنامی آلائش زنگ
ہمدمو! رکھتا ہوں امید رہائی لیکن
دامن اب بعدِ رہائی نہ رہے گا تہِ سنگ
جورِ اعدا تو رہائی پہ بھلا دیتا ہے
پر نہیں طعنۂ احباب کم از زخم خدنگ
کاٹ کر سینہ ، مرے نوکِ قلم سے ٹپکے
کہ سما جب نہ سکا غم یہ درونِ دل تنگ
حاشا للہ رہوں قید میں ہر طور سے خوش
کیا کروں جب کہ میسر نہیں اک رشتۂ چنگ
منت شورِ قلم ہے جو مری مستی ہے
قید سی قید میں یہ میری سبک دستی ہے

(۷)

دل میں ہمدم ہیں مرے گرچہ ہیں آنکھوں سے نہاں
غالبؔ غمزدہ کی ہیں وہ یہاں روح رواں
للہ الحمد کہ دیتے ہیں سبھی داد نشاط
للہ الشکر میسر ہے انہیں شوکت و شاں
دیکھو آئین نظر سے تو ہیں سب سحر طراز

هم در اقلیم سخن شاه نشانید همه
چشم بد دور که فرخنده لقائید همه
شاد باشید که فرخ گہرانید همه
سود بینید و وفادیدهٔ و نورید همه
زنده مانید صفا قالب و جانید همه
من بخوں خفته و بینم همه بینید همه
من جگر خسته و دانم همه دانید همه
درمیاں ضابطهٔ مہر و وفائے بود است
من برانیم که ہر آئینه برانید همه
روزے از مہر نگفتید فلانے چون است
بارے از لطف بگوئید چسانید همه
گر نباشم به جہاں خار و خسے کم گیرید
اے که سرو و چمن باغ جہانید همه
چارهٔ گر نتواں کرد ، دعائے کافی است
دل اگر نیست خداوند زبانید همه
سبقت بند که که دربند رقم ساخته ام
بنویسید و به بینید و بخوانید همه
آں نباشم که به ہر بزم زمن یاد آرید
دارم امید که در بزم سخن یاد آرید

☆☆☆

اور اقلیم سخن میں ہیں سبھی شاہ زماں
چشم بد دور کہ سب لوگ ہیں فرخندہ لقا
شاد و آباد ہمیشہ رہیں فرخ گہر ان
سود بیں ، نور سراپا و وفا دیدہ ہیں
رہیں آباد ہمیشہ وہ صفا قالب و جاں
میں ہوں سرتاپا لہو اور وہ سب دیکھتے ہیں
میں جگر خستہ سمجھتا ہوں کہ ہے اُن پہ عیاں
بیچ میں ضابطۂ مہر و وفا رکھا ہے
میں سمجھتا ہوں یہی ان کا ہے آئین نہاں
کبھی پوچھا نہ لگاوٹ سے فلاں کیسا ہے ؟
خیر یہ لطف تو فرماؤ ، وہ کیسے ہیں وہاں؟
میں نہیں ہوں تو ذرا کم خس و خاشاک ہوا
تم تو ہو خیر سے سرو و چمن باغ جہاں!
چارہ ممکن جو نہیں ہے تو دعا کافی ہے
دل نہیں سینے میں تو منہ میں تو رکھتے ہو زباں
خیر چھوڑو کہ جو کرنا تھا رقم میں نے کیا
لکھ رکھو اس کو ،نظر کرکے پڑھے جاؤ میاں!
یاد آؤں گا نہ ہر بزم میں شاید تم کو
ہاں مگر بزمِ سخن میں تو مجھے یاد کرو !

☆☆☆